معیشت اور سائنسی ترقی: جدیدیت وروایت کے تناظر میں

عالم اسلام میں مغرب جیسی سائنسی ترقی کیوں ممکن نہ ہوسکی؟

برنارڈ لیوس نے یہ سوال اٹھایا ہے:

Why did scientific break through occur in Europe and not as, one might reasonably have expected in the richer, more advanced and in most respects more enlightened realm of Islam?

ہمارے حلقے اس سوال پر ششدر رہ ہوکر شرمندہ ہوجاتے ہیں۔ گزشتہ دوسو سال میں اس سوال کے سات مختلف جوابات دیئے گئے ہیں [۱] مغربی استعمار کا عالم اسلام پر تسلط، [۲] قدامت پرستی جو ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے، [۳] اسلامی روایات و اقدار سے قطع تعلق، [۴] ناخواندگی، [۵] آبادی میں بے تحاشہ اضافہ [۶] عورتوں کی قومی زندگی میں عدم شمولیت [۷] آمریت جو ایجادات کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔ یہ جوابات دینے والے بھول گئے کہ جب مسلمانوں نے روم اور ایران کی دو عظیم طاقتوں کو شکست دی تب مسلمانوں کے پاس نہ کتب خانے تھے نہ کارخانے نہ اسلحہ خانے، نہ خواندگی عام تھی نہ آبادی زیادہ تھی نہ سائنسی ترقی تھی نہ کالج یونیورسٹی قائم تھے نہ عورتیں مردوں کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں شریک تھیں صرف ایک کتاب سارے عرب میں موجود تھی۔ لیکن مسلمانوں نے صرف کردار اور یقین کی دولت سے دو عظیم طاقتوں کو شکست دے دی۔

جدید سائنس اور قدیم سائنس میں فرق:

جدید سائنس کی ترقی پر رشک کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ جدید سائنسی ترقی اچانک آناً فاناً نہیں ہوئی اس کی طویل تاریخ ہے جس کا پس منظر جانے بغیر اس ترقی کو فطری ترقی تصور کرنا غیر علمی رویہ ہے، جدید سائنس کی اصل حقیقت سے آگہی کے لیے قدیم سائنس اور ازمنہ وسطیٰ کی سائنس سے جدید سائنس کے تقابلی مطالعات لازمی ہیں۔ جدید سائنس کا تعلق سرمایہ داری سے ہے اور سرمایہ داری کو جانے بغیر اس تعلق کی نوعیت کو سمجھنا محال ہے۔ سرمایہ دارانہ نظم معیشت اور سرمایہ دارانہ نظم سیاست کے بغیر جدید سائنسی ترقی ممکن ہی نہیں۔ سرمایہ داری اور جدید سائنس لازم و ملزوم ہیں۔ جدید سائنس کی مابعد الطبیعیات ارتکاز سرمایہ، لذت، سہولت، عیش وعشرت اور مادی فتوحات کے ذریعے زمین کو جنت ارضی بنانے کے سوا کچھ نہیں، اس کا خدا جبلت اور جمالیات ہے۔ جدید وقدیم سائنس کے تقابلی مطالعے سے معلوم ہوگا کہ دنیا کے قدیم اور وسطی معاشروں میں سائنس کا مقام کیا تھا اور اس کا کیا کردار تھا۔ سائنس ان ادوار میں معاشروں کے خادم کا کردار ادا کرتی تھی یا اسے معاشروں پر حاکمانہ تسلط حاصل تھا سائنس اس عہد کی علمیات اور الٰہیات سے برآمد ہوئی تھی یا اس عہد کی علمیات اور الٰہیات

Tarikh-e-Alam Correction

سائنس کے غلام تھے۔ ان مباحث سے صرف نظر کر کے جدید سائنس کو فطری، حقیقی سمجھنا محض مفروضات پر یقین رکھنا اور سائنس کے ارتقاء کی تاریخ سے کامل عدم آگہی کا شاخسانہ ہے۔ یہ موقف رکھنے والے جدید سائنس کے فلسفہ مابعدالطبیعیات، اس کے تصور کائنات وتصور انسان اس کے مقاصد اور اہداف سے کلی طور پر ناواقف ہیں۔ جدید سائنس جدید فلسفہ مغرب کے بطن سے برآمد ہوئی ہے اور فلسفہ مغرب کی بنیاد سرمایہ داری نو آبادیات، استعماریت، دہشت گردی اور عیسائیت کی شکست وریخت تاریخ کے عمیق مطالعے کے بغیر تلاش کرنا محال ہے۔

سائنس: نیچرل فلاسفی کہلاتی تھی:

انیسویں صدی کے آخر تک سائنس نیچرل فلاسفی کہلاتی تھی لیکن انیسویں صدی کے اختتام پر اسے فلسفہ سے الگ کر دیا گیا اور سائنس خود ایک ذریعہ علم بن گئی۔ سائنس اور فلسفے میں جب تک ہم آہنگی تھی چیزوں کی حقیقت اور قدر کا سوال برقرار رہتا تھا مثلاً یہ سوال موجود رہتا تھا کہ میں پانی کیوں پیوں؟ لیکن سائنس جب فلسفے سے الگ ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سوال بے کار تھا کہ پانی پیا جائے یا نہیں۔ اس سوال کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اصل سوال یہ ہے کہ اچھے طریقے سے پانی کس طرح پیا جائے۔ دلیل [Reason] اور [Rational] عقلیت جب آلاتی [Instrumental] ہو گئے تو سائنس فلسفہ سے الگ ہو گئی، جدید سائنس کا بانی نیوٹن ایک مذہبی شخص اور فلسفی بھی تھا اس نے بھی سائنس کو فلسفے سے الگ نہیں سمجھا اس کی کتاب کا نام PrincipleMathematical of Natural Philosophy تھا۔ نیوٹن نے نصف زندگی مذہبی کتابیں لکھیں، وہ خدا کے وجود کا دل سے قائل تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ خدا کائنات بنا کر اس سے الگ تھلگ ہو گیا ہے۔ اس تصور نے ایک بے خدا سائنس تیار کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ڈیکارٹ نے بھی ذہن سے خدا کو ثابت کیا۔ کانٹ نہایت مذہبی شخص تھا لیکن ڈیکارٹ نیوٹن اور کانٹ جو خدا کے قائل تھے ان کے پیش کردہ فلسفہ کے نتیجے میں خدا کا وجود مغربی تہذیب وتاریخ سے خارج کر دیا گیا۔ یہی کام اسلامی جدیدیت پسند عالم اسلام میں کر رہے ہیں وہ بہت نیک اور راسخ العقیدہ ہیں لیکن ان کی غلط فکر کے نتیجے میں اسلام کو مستقبل میں یہی خطرات درپیش ہوں گے۔ قدیم سائنس میں خدا کا تصور خدا کا کردار موجود تھا کیونکہ وہاں انسان مخلوق تھا، خالق نہ تھا، اپنے مخلوق ہونے کا احساس اسے خدا اور آخرت کے تصورات سے وابستہ رکھتا تھا، لیکن Newtonian تصور کائنات کے بعد کائنات ایک Subject ہے اور انسان محض Object۔ اس کے نتیجے میں مادی تصور کائنات وقوع پذیر ہوا جس نے خالق کائنات کی جگہ لے کر انسان کو خالق قرار دے دیا۔ نیوٹن کے افکار سے استفادہ کے لیے ہمیں بیکن، لاک، ڈیکارٹ اور گیلی لیو کے فلسفے وافکار کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ بیکن نے Induction کے طریقے کو متعارف کر کے جزو کی بنیاد پر کلیات قائم کرنے کا سائنسی طریقہ بتایا۔ جس نے بے شمار مسائل پیدا کیے۔ یہ طریقہ آخر کار خود ایک مسئلہ بن گیا اور اپنے دعوے کو ثابت نہ کر سکا تو مسئلے کے حل کے لیے پاپر کا شہرہ آفاق طریقہ Falsification ایجاد ہوا

Tarikh-e-Alam Correction

جس کے تحت سائنس کی ترقی اور ارتقاء صرف اس عمل سے مشروط ہے کہ اس کے کتنے اصول ٹوٹے، پامال ہوئے، غلط قرار دیئے گئے۔ جب تک پہلا نظریہ ثابت نہیں ہوجاتا وہی نظریہ درست قرار پائے گا اور جیسے ہی یہ نظریہ غلط قرار پائے گا۔ نیا نظریہ اس کی جگہ لے لے گا۔ اسی لیے بعض زعماء کی رائے ہے کہ سائنس علم نہیں ''محض کام چلانے کا طریقہ ہے زندگی کے کاررواں کو یہ چالو رکھنے کا کام کرتا ہے کب تک کچھ نہیں کہا جا سکتا، کام چل رہا ہے لہٰذا کام چلاتے رہو۔ ڈیکارٹ نے Dualism کا نظریہ دیا جس کے نتیجے میں ایک نیا انسان پیدا ہوا جس کے فکرو نظر کے پیمانے قدیم انسان سے قطعاً مختلف تھے۔ اسی لیے فوکو نے کہا تھا کہ انسان تو اٹھارہویں صدی میں پیدا ہوا ہے۔ یہ خلق جدید کائنات اور انسان کے بارے میں ایک عجیب نقطۂ نظر لے کر اٹھی جس نے آخر کار فلسفے، سائنس کائنات اور انسانوں کی زندگی سے خدا کو خارج کر دیا۔ ڈیکارٹ، بیکن اور لاک نے نیوٹن پر اثر ڈالا اور نیوٹن نے مغرب کے سب سے بڑے فلسفی کانٹ پر اثر ڈالا۔ کانٹ نے اپنے علم کی بنیاد پر یہ فیصلہ دے دیا کہ علم، عقل اور تجربے کے بغیر وجود نہیں رکھتا لہٰذا مابعد الطبیعیاتی سوالات پر غور و فکر ممکن ہی نہیں ہے لہٰذا انسان حقیقت، اصلیت نہیں جان سکتا ہر شخص قائم بالذات ہے خود مختار ہے، عقلیت کا حامل ہے خود قانون بنا سکتا ہے اور اگر وہ ان خصوصیات کا حامل نہیں تو وہ انسان ہی نہیں ہے۔ Cartaginian Newtonian world view نے سائنس کے سوچنے، سمجھنے اور برتنے کے تمام پیمانے بدل ڈالے اور کائنات پر غور و فکر کے تمام قدیم اسالیب تہس نہس کر دیئے لہٰذا اس پورے عمل کا مطالعہ کیے بغیر سائنس کی ہلاکت آفرینی سمجھی نہیں جاسکتی۔ اس بات پر بھی غور و فکر کی ضرورت ہے کہ کیا سائنس پہلے وجود میں آئی یا ٹیکنالوجی پہلے وجود میں آئی۔ انسان جب سے اس کائنات میں موجود ہے اپنی ضروریات کے مطابق آلات اوزار تیار کرتا رہا ہے لہٰذا ٹیکنالوجی تو قدیم زمانے سے موجود ہے۔ اس ٹیکنالوجی کی علمی تفہیم کے لیے سائنس وجود میں آئی۔ مثلاً جرمنی میں کپڑا رنگنے کے بہت سے طریقے مستعمل تھے، اس تکنیک سے کیمیا کی سائنس وجود میں آئی۔ سترہویں صدی سے پہلے ٹیکنالوجی سائنس کی مددگار تھی لیکن سترہویں صدی کے بعد سائنس ٹیکنالوجی کی مددگار بن گئی ہے۔ بلکہ معاملات اب اس قدر آگے چلے گئے ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی اصطلاحات مدغم ہو کر ایک نئی اصطلاح کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں جسے ہم عہد جدید میں Techno-Science کہتے ہیں۔ اس اصطلاح کے مفاہیم کی ایک الگ دنیا ہے۔ اس وقت سائنس و ٹیکنالوجی کے بیشتر دھارے فزیکل، ٹیکنالوجی، میڈیکل ٹیکنالوجی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی تک محدود ہوگئے ہیں۔ سترہویں صدی سے پہلے تمام مذہبی معاشروں میں سائنس و ٹیکنالوجی لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خادم کے طور پر کام کرتے تھے۔ بیسویں صدی میں ٹیکنو سائنس انسانوں کی ضروریات نہیں خواہشات پوری کرنے کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ یہ خواہشات بھی فطری خواہشات نہیں بلکہ غیر فطری خواہشات ہیں ان کی تخلیق مصنوعی طریقے سے کی گئی ہے۔ جنھیں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ذریعے فطری خواہشات کا درجہ دے دیا گیا اور ہر انسان ان

غیر فطری خواہشات کی تکمیل کے لیے بے خود ہو گیا ہے۔ ٹیکنو سائنس تکاثر کا دوسرا نام ہے۔ یہ شہوت و غضب کی عالمگیریت کا اعلامیہ ہے۔ یہ غیر فطری خواہشات کو تخلیق کر کے انھیں بھڑکا کر آگ لگا کر حلقہ خریداری مہیا کرتی ہے۔ ٹیکنو سائنس انسانیت کی نہیں حیوانیت، جاہلیت، شہوت غضب، نفس پرستی یا مختصر لفظوں میں سرمایہ داری کی حاشیہ بردار اور خادم ہے۔ یہ سرمایے سے نکلی اور سرمایے سے چلی ہے۔ اس کا وجود صرف اور صرف سرمایہ کا مرہون منت ہے۔ لہٰذا یہ سرمایہ پیدا کرتی ہے اور سرمایہ میں مسلسل اضافے کا نام ہے۔ ٹیکنو سائنس کے ذریعے غیر فطری خواہشات کی تکمیل کے نتیجے میں جو مسائل، بیماریاں، آلام، مصیبتیں، عوارض، نفسیاتی مسائل، ذہنی و قلبی جنسی و جسمانی امراض پیدا ہوتے ہیں ان کے علاج کے لیے ٹیکنو سائنس عظیم طبی ایجادات کرتی ہے یعنی پہلے مسائل پیدا کرتی ہے پھر مسئلے کو حل کرتی ہے اور اس غیر فطری عمل کو عظیم الشان سائنسی و طبی انقلاب کا نام دیتی ہے۔ ٹیکنو سائنس کا پہلا اور آخری وظیفہ سرمایہ کی بڑھوتری ہے اور سرمایہ کی بڑھوتری میں خدا کی رضا تلاش کرنا مغربی تہذیب سائنس اور مغربی ٹیکنالوجی یا مختصراً ٹیکنو سائنس میں ممکن ہی نہیں رہا۔ لہٰذا مغرب میں ہر چیز سرمایہ دارانہ معیشت، سرمایہ دارانہ معاشرت اور سرمایہ دارانہ تنظیم میں ڈھل گئی ہے۔ جدید سائنس یا ٹیکنو سائنس جو بھی اہداف متعین کرتی ہے ان کا حصول سرمایہ کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا دولت ہی اصل نیکی قرار پائی Wealth is Virtue کیونکہ دولت کے بغیر ایجاد ممکن نہیں ایجاد کے بغیر ترقی اور کمال ممکن نہیں اس کے بغیر لذت کا حصول ناممکن ہے۔ ترقی کمال لذت کے بغیر دنیا کا وجود اس کارخانہ ہست و بود کی ضرورت رائگاں ہے۔ زندگی کے تمام رنگ پھیکے ہیں یہ زندگی فی الحقیقت قفس، قید خانہ، محبس ہے لہٰذا ان آلام سے چھٹکارے کے لیے دولت کا حصول اصل مقصد زندگی ہے۔ لہٰذا کیسا خدا کیسا نبی...... پیسہ خدا پیسہ نبی

جدید سائنس: لذت، جبلت، جمالیات، افادہ

بل اور بینتھم کے نظریات نے لذت اور لطف اندوزی کی ایک خاص ذہنیت پیدا کی جو ستر ہویں صدی سے قبل دنیا کے تمام معاشروں میں مفقود تھی۔ زندگی کا مقصد افادیت و لذت پرستی سے جوڑ دیا گیا یہی حاصل زندگی بن گئی۔ اس ہدف کی تکمیل یعنی لذت تعیشات معیار زندگی میں اضافہ اور خواہشات کی سرعت سے تکمیل کے اہداف سائنس و ٹیکنالوجی نے برق رفتاری سے طے کیے۔ آج سائنس کی جس قدر بھی ترقیات ہیں وہ اسی نقطۂ نظر کی ترویج توسیع اشاعت تک محدود ہیں کیونکہ سرمایہ دارانہ حرص و حسد کے نتیجے میں انہی دائروں میں غیر معمولی ترقی ممکن ہے۔ مغرب کے بڑے بڑے فلسفی سائنس کو Value Natural نہیں مانتے وہ اسے Value Specific قرار دیتے ہیں۔ King of the Philosopher ہائیڈیگر کی کتاب Question Concerning Technology اس سلسلے میں بہت سے حقائق واضح کرتی ہے۔ [عرفان سے کتابوں کی فہرست لے کر یہاں شامل کرنا ہے] مغرب کے فلسفیوں نے فلسفے سے خدا، مذہب، آخرت اور تمام مابعد الطبیعیاتی

Tarikh-e-Alam Correction

سوالات کو خارج کر دیا کسی بڑے جدید مغربی فلسفے کے نظام فکر میں موت کے سوال پر غور وفکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اصل مسئلہ: روزانہ کی زندگی ہے

ہائیڈ یگر جیسا عظیم فلسفی بھی یہ کہتا ہے کہ ہم کہاں سے آئے ہم کہاں جائیں گے۔ یہ لایعنی سوالات ہیں، اصل مسئلہ میرے وجود کا ہے۔ اصل مسئلہ ذات کے اظہار کا اور روزانہ کی زندگی Everyday life کا ہے۔ فلسفہ نے جب خدا سے اور حقیقت مطلق سے دامن چھڑا لیا تو سائنس دانوں نے بھی سائنس سے خدا کو خارج کر دیا لیکن ہمارے مسلم جدیدیت پسندوں کا مسئلہ یہ ہے کہ کسی طرح سے سرمایہ داری، سرمایہ دارانہ نظام، سائنس، ٹیکنو سائنس میں خدا کو داخل کر دیا جائے تا کہ اس کافرانہ نظام کی اسلام کاری ہو سکے۔ وہ جدید سائنس کے فلسفیانہ مباحث سے ناواقف ہیں انھیں معلوم ہی نہیں کہ جدید سائنس میں روایت، مذہب، روحانی تجربات اور مابعد الطبعیاتی سوالات کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ اس کا موضوع دائرہ کار نہیں ہے ننانوے فی صد جدیدیت پسند اور راسخ العقیدہ مسلم مفکرین سائنسی طریقہ کار سے قطعاً ناواقف ہیں لہٰذا وہ سائنس سے اسلام کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مثلاً ذاکر نائیک صاحب نے Big Bang تھیوری سے کن فیکون کو ثابت کر دیا جب کہ بگ بینگ تھیوری نہ verify ہو سکتی ہے نا Falsify کیونکہ یہ ایک تصوراتی نظریہ ہے۔ ایسے آلات موجود ہی نہیں ہیں جس سے اس نظریے کو تجربات، مشاہدات کے ذریعے تجربہ گاہوں میں غلط یا درست ثابت کیا جاسکے۔ ٹی وی کے ایک مذاکرے میں ذاکر نائک رحم مادر پر ایک سائنسی کتاب سے دلائل دے رہے تھے Embryology کو قرآن سے جب وہ ثابت کر چکے تو مذاکرے کے شریک ایک سائنس دان نے انھیں بتایا کہ مذکورہ سائنس دان رحم مادر میں تخلیق کے مراحل پر اپنے موقف سے رجوع کر چکا ہے اور اس نے یہ بات مجھے خود بتائی اس پر ذاکر نائیک نے جواب دیا کتاب میں تو یہی لکھا ہے ہم اس کی کتاب کو مانتے ہیں زبانی بیان نہیں۔ یہ جواب برائے جواب تو صحیح ہے لیکن سائنسی استدلال کی کمزوری یہی ہے کہ اس کی تردید کسی بھی مرحلے پر ہو سکتی ہے۔ اس کی بنیاد ریت کی دیوار سے زیادہ پائیدار نہیں۔ گیلی لیو کہتا تھا کہ جس سائنسی مفروضے یا نظریے کو ریاضیاتی زبان میں ثابت نہ کیا جاسکے وہ جذبات کا معاملہ ہے۔ سائنس اور عقل کا مسئلہ نہیں۔ ذاکر نائیک اور بے شمار جدیدیت پسند مفکرین اپنے جذبات کو سائنس کے جذبات سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو آخر کار ناکام ہو جائیں گے جس طرح Islamization of Knowledge کی تحریک جو مخلص مسلم مفکرین نے مغرب میں شروع کی تھی۔ مضحکہ خیز علمی تحقیقات کے بعد مسترد ہو گئی۔ یہ بات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ قدیم سائنس کا وجود حقیقت کے تصور سے نکلتا تھا وہ جو حقیقت ازلی اور حقیقت مطلق ہے جسے ذات باری تعالیٰ کہتے ہیں، اس کے برعکس جدید سائنس کا تصور حقیقت مطلقہ خدا سے انکار پر مبنی ہے اگر جدید سائنس کی مابعد الطبعیات نکال کر اس میں اسلام کی

Tarikh-e-Alam Correction

مابعدالطبیعیات شامل کر دی جائے تو کیا جدید سائنس کو مشرف بہ اسلام کیا جا سکتا ہے، ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ سائنس جو اسلامی تاریخ تہذیب الہیات اور مابعدالطبیعیات سے نکلے گی وہی معتبر بہتر اور موثر ہوگی۔ یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مادی ترقی، تمام سائنسی علوم، تسخیر کائنات کے نظریات لے کر آیا تھا لیکن اس پر عمل کی سعادت کفار کو حاصل ہوئی۔ جدیدیت پسندوں کا یہ نظریہ مغرب اور انبیاء کی تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

جدید سائنس: جزئیات سے کلیات تک

جدید سائنس جزو [some] سے [all] کا اصول [drive] اخذ کرتی ہے۔ یہ طریقہ Induction کہلاتا ہے جس کا بانی بیکن تھا اس کی بنیاد چند مشاہدات پر ہے۔ ان مشاہدات کی بنیاد پر کل نتائج اخذ کر لیے جاتے ہیں جب ان نتائج کے برعکس کوئی نتیجہ سامنے آئے تو پاپر کے Falsification کے طریقے کو استعمال کر کے نئے نتائج تسلیم کر لیے جاتے ہیں۔ اس سائنسی طریقے سے ہم موت کے سوال کو حل نہیں کر سکتے جو اسلامی مابعد الطبیعیات کا اہم عنصر ہے۔ کیونکہ سائنٹفک میتھڈ میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ اس طریقے سے موت کی حقیقت کو زیر بحث لایا جا سکے۔ انسان موت کے تجربے کا اظہار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ موت کا تجربہ تمام دروازے بند کر دیتا ہے۔ موت کے منہ سے نکلنا درحقیقت موت کا تجربہ نہیں ہے کیونکہ بعض لوگ موت کے منہ سے واپس آ جاتے ہیں۔ موت کے تجربے کے لیے مرنا ضروری ہے۔ مغربی فلسفے و سائنس نے استقرائیت و استخراجیت Induction اور Deduction کو اختیار کیا، لیکن اس کی محدودات کا اندازہ ہو گیا تو منطق نے نئے راستے تلاش کیے لیکن یہ راستے بھی مغرب کو خیر کلی تک نہ پہنچا سکے۔ مغرب نے مذہب خدا آخرت سے بہ ظاہر انکار کر دیا لیکن موت کا تجربہ روزانہ ہوتا ہے اس تجربے سے اٹھنے والے سوالات کا جواب نہ فلسفے کے پاس ہے نہ سائنس دانوں کے پاس لہٰذا موت کے روزانہ تجربات کے باعث موت کے سوال کو مغربی معاشرے سے ختم نہیں کیا جا سکا۔ موت کے بارے میں سوچتے ہوئے ان کی حالت عجیب ہو جاتی ہے۔ مغربی تہذیب کا نقطہ، ماسکہ، لذت ہے لہٰذا موت کا سوال لذت سے الگ کر دیتا ہے۔ کرب میں مبتلا کرتا ہے۔ لہٰذا ٹیکنو سائنس اور پس جدیدیت کے فلسفے نے اس سوال کو بھی منظر سے غائب کر دیا کہ انسان زندہ کیوں رہنا چاہتا ہے؟ موت کے سوال پر غور کرتے ہوئے کئی مغربی افسانہ نگار فلسفی خودکشی کر چکے ہیں ان میں اس صدی کا عظیم فلسفی ڈیلوس ہے جس نے ہسپتال سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔

سائنس: مفروضات کا عقیدہ

سائنس کا آغاز بھی مفروضات سے ہوتا ہے، نتائج سے نہیں۔ کوانٹم میکنکس کا آغاز بھی ہائزن برگ کے اصول غیر یقینی سے ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم ایک وقت میں سب کچھ نہیں جان سکتے۔ ہم ایک وقت میں مادہ کا مقام جان سکتے ہیں یا اس کی رفتار۔ بوہر نے ہائزن برگ کے اصول کی فلسفیانہ تشریح کی ہے۔ نیوٹن نے حقیقت

Tarikh-e-Alam Correction

مطلقہ کو جاننے کی کوشش کی تھی لیکن آئن اسٹائن کے بعد مغرب میں کوئی ایسا سائنس داں پیدا نہیں ہوا جو سائنس کو حقیقت مطلقہ کے سمجھنے کا ذریعہ سمجھتا ہو۔کوانٹم میکنکس کی ترقی نے حقیقت مطلق کے سوال کو بے معنی کر دیا ہے۔ مغرب میں اب صرف سائنس داں پیدا ہورہے ہیں پہلے یہ فلسفی بھی ہوتے تھے۔انھیں چیزوں کی حقیقت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے صرف اس کے فائدے سے دلچسپی ہے اور یہ کہ اس ایجاد سے سرمایہ میں کتنا اضافہ ہوگا لہٰذا اقدار اور حقیقت کے سوال لایعنی ہوگئے۔ جب مابعدالطبیعیات ختم ہوگئی تو اخلاقیات کے اصول کہاں سے اخذ کیے جاتے لہٰذا مغرب سے اخلاقیات کا بھی خاتمہ ہوگیا۔مصنوعی اخلاقیات کے اصول بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں ان کی بنیاد بھی فائدے اور لذت پر ہے۔

جدید سائنس کا دعویٰ: اعتراف عجز

جدید سائنس مادیت کو اصل مقصود قرار دے کر اپنے سفر کا آغاز کرتی ہے۔اس کا دعویٰ تھا کہ وہ مابعد الطبیعیاتی سوالات کا جواب دریافت کرلے گی اور آثار کائنات کے مشاہدات کے ذریعے خالق کائنات کو جان لے گی لیکن جوں جوں اس کا سفر آگے بڑھتا گیا اس نے اپنی تہی دامنی کا اعتراف کرلیا کہ مابعدالطبیعیاتی سوالات کا جواب اس کے دائرے سے باہر ہے اس عجز کے باوجود اس نے خدا اور آخرت کا انکار کر دیا۔ نیوٹن نے جس مادیت کی بنیاد پر جدید سائنس کو فروغ دیا تھا اس کا منطقی اور فطری نتیجہ یہی تھا۔مغربی فلسفے نے جدید سائنس کو مادیت کے فروغ کے لیے آلہ کار بنایا لہٰذا اس نے پوری دنیا کو مادیت کا غلام بنا دیا۔مغرب کی تین سو سالہ تاریخ میں کوئی ایک سائنس دان ہے جو ولی اللہ بن گیا ہو جب کہ اللہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم والے ہوں یہ کیسا علم ہے جو معرفت رب عطا نہیں کرتا۔آثار کائنات کے عمیق مشاہدے کے باوجود اللہ کی قربت سے فیض یاب نہیں ہونے دیتا وجہ یہ ہے کہ سائنس دان مادیت کی تلاش میں محوسفر ہوتا ہے وہ خود کو خالق سمجھتا ہے لہٰذا تخلیق کے اس نام نہاد عمل میں اس کی اصل منزل او جھل ہوجاتی ہے اور وہ آثار کائنات سے خدا کی قربت حاصل کرنے کے بجائے خدا کے انکار کی جرات حاصل کرتا ہے۔

جدید سائنس: عیسائیت سے مادہ پرستی تک

جدید سائنس کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں مادیت پرستی کی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہوگا، عیسائیت سے مادیت تک کا یہ سفر کیسے طے ہوا کون اس کا ذمہ دار تھا؟ یورپ میں نصف سے زیادہ زمینوں کی ملکیت کا کلیسا کے پاس ہونا، کلیسا کا دولت پرستی میں مبتلا ہونا، قوت کے زعم میں مظالم کا ارتکاب، یونانی سائنسی نظریات کو عیسائی الٰہیات واعتقادات کا حصہ بنانے کے بعد اس کے سائنسی ابطال کو تسلیم کرنے سے انکار اور ان مذہبی سائنسی نظریات کے ابطال کرنے والوں پر بہیمانہ تشدد، Inquisition کی تاریخ جب کلیسا نے ہزاروں عیسائیوں اور عورتوں پر مظالم کیے، قتل کیا، عورتوں کو زندہ جلایا۔کلیسا کے اخلاقی انحطاط کے نتیجے میں کلیسا کی شکست، کلیسا کی دنیا

پرستی تشدد اور بربریت کے ردعمل میں پروٹسٹنٹ ازم کا فروغ، تحریک تنویر، تحریک رومانویت، قومی ریاستوں کا قیام، سرمایہ داری کا وجود، جدید فلسفہ اور جدید سائنس کا فروغ، نوآبادیات کا قیام، نوآبادیات کے قیام کے نتیجے میں دولت کی لوٹ مار اور اس کا دور دراز سے سمٹ کر یورپ میں جمع ہونا، سرمایہ دارانہ فکر کا ارتقاء، سرمایہ دارانہ نظام کی تاریخ، امریکی ریاست کا قیام، بنیادی حقوق کے منشور کی تاریخ وغیرہ وغیرہ۔ ان مباحث پر گہری نظر کے بغیر جدید سائنس کے حیرت انگیز ارتقاء کی کہانی سمجھ میں نہیں آسکتی۔

ہندوستان کی دولت: ایجادات کا باعث

اٹھارہویں صدی کے وسط تک انگلستان زرعی ملک تھا لیکن پلاسی کی جنگ کے بعد ہندوستان کی دولت سمندری طوفان کی طرح انگلستان میں آنے لگی۔ یہی دولت ایجادات کا باعث بنی۔ برطانیہ کی صنعتی تاریخ کے ماہر ڈاکٹر کنگھم نے لکھا ہے کہ ''ایجادیں اتنے بڑے پیمانے پر صرف اس لیے نہیں ہوئیں کہ جیسے لوگوں کی ذہانت آناً فاناً پھوٹ پڑی ہو، اصل وجہ یہ تھی کہ ملک میں سرمایہ اتنا اکٹھا ہو گیا تھا کہ ان ایجادات کا مصرف نکلنے کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔'' اس موضوع پر Leo Huberman کی کتاب Man's Worldly Goods بہت سے حقائق آشکار کرتی ہے۔ جس کے اقتباسات ہم شروع میں پیش کر چکے ہیں۔ نوآبادیات میں لوٹ مار کی کہانی مائیکل مین کی کتاب Darkside of Democracy اور رومیل کی کتاب Death by Government میں پڑھی جا سکتی ہے۔ مائیکل مین کہتا ہے کہ نسلی قتل عام مغربی تہذیب کی خصوصیت ہے جس کی بنیاد قوم پرستی پر رکھی گئی جو مغربی تہذیب کی بہیمیت کا فطری جواز مہیا کرتی ہے اس کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

Thus unfortunately for us murderous ethnic cleansing is not primitive or alien. It belongs to our own civilization and to us, most say this is due to the rise of nationalism in the world and this is true.

پچاس کروڑ لوگوں کی لاشوں اور کھربوں روپے کی لوٹ مار پر جدید سائنس کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ لوٹ مار کی یہی دولت اس حیرت انگیز سائنسی ترقی کی بنیاد بنی جو آج ہر شخص کو فطری حقیقی ضروری اور عین اسلامی معلوم دیتی ہے۔ کیا مذہبی ریاستیں جبر و استبداد اور لوٹ مار کا مذہبی جواز فراہم کر سکتی تھیں۔ مذہبی معاشروں میں اس بہیمیت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ عیسائیت کی خامیوں، کوتاہیوں اور مذہبی استبداد کے باوجود اس کا موزانہ اگر مہذب متمدن جدید سائنسی یورپی انسانوں کی لوٹ مار دہشت گردی سے کیا جائے تو ہمیں مذہبی دور جو مغرب کی اصطلاح میں Dark Age [تاریک دور] جدید دور Engligthened [روشن خیال] کے مقابلے میں زیادہ شریفانہ، محبت والا اور قابل رشک نظر آئے گا۔ اس کے ظلم و جبر بھی لامحدود نہیں تھے۔ محدود ہی تھے۔ کیونکہ عسکری آلات بھی اسی علمیات کے نتیجے میں تیار ہوئے تھے، جس کے مطابق تمام مخلوق اللہ کا کنبہ سمجھی جاتی تھی اور

اس کنبے کی ہولناک تباہی کا تصور الہامی مذاہب میں نہیں پایا جاتا تھا۔ مذہبی تہذیبوں کی سائنس ایٹم بم بنانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ اس سوال پر غور کی ضرورت ہے کہ مغربی تہذیب و معاشرت تین سو سال میں ایک حضرت عمرؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت جنید بغدادیؒ جیسی ہستی کیونکہ پیدا نہ کرسکی۔ اس سوال کو دوسری طرح بھی دیکھا جائے کہ اسلامی معاشرے میں نیوٹن، آئن اسٹائن کیوں پیدا نہیں ہوسکے اور اسلامی تاریخ جدید سائنسی ایجادات کیوں مہیا نہ کرسکی؟

سائنسی ترقی میں براعظموں کی لوٹ مار: مرکزی عامل

مغربی فکر و فلسفے سے نکلے والی خلق جدید کی بہیمیت کی اس تاریخ کو اور سرمایہ داری کی ابتدائی تاریخ کو پڑھے بغیر سائنسی ایجادات و ترقی کا سبب سمجھ میں نہیں آسکتا اس سلسلے میں جو مظالم ہوئے ہیں اور براعظموں کو جس طرح لوٹا گیا ہے خصوصاً امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ، ایشیا اور وہاں کے لوگوں کو جس طرح تہس نہس کر کے مال لوٹا گیا اس کے نتیجے میں صنعتی ترقی اور سائنس کا پہیہ چلا ہے۔ صنعتی ترقی کے لیے کروڑوں افریقی غلام استعمال ہوئے اور ہلاک کیے گئے۔ غلاموں کا اس طرح استعمال کسی مذہبی معاشرے میں نہیں ہوا۔ ۱۷۰۰ ویں صدی سے پہلے ہونے والے عیسائیوں کے مظالم Inquisition وغیرہ بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں، پھر سرمایہ داری نے مزدور کا جو حشر کیا وہ عبرتناک ہے۔ جاگیرداری کے زمانے میں ظلم تھا لیکن محدود اس کی تفصیل بھی آپ کو لیو ہیبر مین کی کتاب میں ملے گی۔

سائنسی تحقیقات کا مقصد: سرمایہ کس کا ہے؟

ہم لوگ سرمایہ داری کے آغاز ارتقاء کی تاریخ سے واقف نہیں ہیں لہٰذا سائنسی ایجادات سے متاثر ہوجاتے ہیں اس وقت بھی جتنی سائنسی تحقیقات ہو رہی ہیں اس کے پیچھے سرمایہ کس کا ہے؟ سائنسی تحقیقات کا مقصد کیا ہے؟ انسانیت کی خدمت؟ دولت کمانا؟ دولت کمانا ہی اصل مقصد ہے لہٰذا یہ محرک تیزی سے ایجادات کا سبب بن رہا ہے لہٰذا سائنس یا اس کی ترقی کو مغرب کے فلسفے تاریخ، مابعد الطبیعیات، نو آبادیات میں لوٹ مار، تصور انسان تصور نفس اور تصور کائنات تصور آخرت کو سمجھے بغیر مجرد دیکھنا اور سمجھنا مناسب نہیں ہے کوئی مذہبی ریاست دوسروں کو لوٹ کر ترقی کا پہیہ نہیں چلا سکتی۔ ایسی ظالم ترقی پر غیر ترقی یافتہ معاشرے کو ترجیح دینا دین کا تقاضہ بن جاتا ہے۔ [عالم اسلام کے جدیدیت پسند مفتی عبدہٗ سے لے کر وحید الدین خان تک مسلسل ترقی، ارتقاء، سائنس و ٹیکنالوجی کی باتیں کر رہے ہیں لیکن یہ حضرات مغرب کے فکر و فلسفے، اس کی علمیات اور اس کی تاریخ سے قطعاً ناواقف ہیں کیونکہ ان کی تحریروں میں کسی ایک بڑے مغربی فلسفے کا حوالہ یا اس کے فکر و نظر پر کوئی بحث نظر نہیں آتی۔ چند تعارفی مقبول عام [پاپولر] انگریزی کتابوں سے عطر کشید کر کے یہ حضرات صہبائے اسلامی تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ حضرات مغربی فکر و فلسفے کے بنیادی مباحث سے بھی واقف نہیں ہیں۔ مفتی عبدہٗ تو انگریزی زبان

سے بھی ناواقف تھے یہی حال سرسید کا تھا۔] سائنسی ترقی میں کھربوں روپے کی سرمایہ کاری اسی لوٹ کے مال سے کی گئی۔

کیا ہم لوٹ مار کے بغیر کوانٹم میکنکس کا ایک تجربہ کر سکتے ہیں؟

کوانٹم مکینکس کے ایک تجربے کے لیے پاکستان کے بجٹ سے کئی گنا زیادہ رقم درکار ہے۔ یہ رقم لوٹ مار کے سوا کسی طریقے سے نہیں اکٹھی کی جاسکتی۔ اس تجربے کے لیے کم از کم ایک ہزار ماہرین کی جماعت درکار ہے۔ اس تجربے کی کامیابی اور ناکامی دونوں کا امکان برابر ہے۔ استعماری طاقت بنے بغیر ان سائنسی تجربات کا خرچ برداشت کرنا محال ہے۔ کوانٹم مکینکس کی ایک مساوات Equation اگر کمپیوٹر کے ذریعے حل نہ کی جائے تو پوری زندگی میں ایک سائنس داں صرف ایک مساوات کو حل نہیں کرسکتا۔ اگر کمپیوٹر ایجاد نہ ہوتا تو کوانٹم مکینکس صرف نظری علم رہتا لہٰذا جدید سائنس کے لیے کھربوں روپے کی سرمایہ کاری ضروری ہے۔ آئن اسٹائن نے $E=mc^2$ کا جو نظریہ پیش کیا تھا اسے ثابت کرنے کے لیے ٹیکنالوجی بعد میں وجود میں آئی لہٰذا سائنس اب ٹیکنالوجی کی محتاج ہو چکی ہے اور ٹیکنالوجی سرمایہ کی محتاج ہے اور سرمایہ صرف سرمایہ کے ذریعے ہی اپنی مقدار میں اضافہ کرسکتا ہے لہٰذا سائنس، ٹیکنالوجی اور سرمایہ داری کے مثلث کے بغیر سائنسی ترقی کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ چونکہ ٹیکنالوجی پر بھاری سرمایہ کاری کرنا پڑتی ہے لہٰذا سرمایہ کار صرف ان شعبوں میں ٹیکنالوجی پر سرمایہ کاری کرتا ہے جہاں سے وہ بھاری منافع حاصل کرسکے۔ اس کے نتیجے میں سائنس کے افق بڑھنے کے بجائے سکڑ رہے ہیں اور سائنس و ٹیکنالوجی صرف سرمایہ داری کے بہترین خدمت گزار بن گئے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ سرمایہ کاری طب، آلات حرب وضرب، تفریحات اور تعیّشات فسق و فجور کی صنعتوں میں ہو رہی ہے۔ جس کا علمی نام میڈیکل ٹیکنالوجی انفارمیشن ٹیکنالوجی ہے۔ جدید سائنس و ٹیکنالوجی کو اس حال تک مادیت پرستی کے مغربی فلسفے نے پہنچایا تھا۔ پہلے پہل سائنس مغربی فکر و فلسفے کے آلہ کار کے طور پر کام کر کے اس کے آدرشوں کی تکمیل کر رہی تھی لیکن انیسویں صدی کے بعد سائنس فلسفے سے الگ ہوگئی اور اب وہ خود ایک علم بن چکی ہے حالانکہ دنیا کی تاریخ میں سائنس اور فلسفہ میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ دنیا کا پہلا فلسفی تھیلس سائنس دان بھی تھا۔ تھیلس کے فلسفے اور سائنس کا مقصد حقیقت مطلق تک رسائی تھا وہ نہیں جو آج کی سائنس اور فلسفے کا محور و مرکز ہے کہ دنیا کی زندگی کو کس طرح خوبصورتی سے بسر کیا جائے اور زمین کو جنت بنا دیا جائے۔ تمام بڑے بڑے سائنس داں فلسفی تھے۔ لیکن بیسویں صدی میں صرف سائنس داں پیدا ہو رہے ہیں یہ سائنس دان فلسفی نہیں ہیں لہٰذا سائنس کی سمت، اہداف مقرر کرنے والا کوئی عامل باقی نہیں رہا، اس پر نقد کرنے والا کوئی ادارہ اس سے وابستہ نہیں رہا لہٰذا جدید سائنس جو اول دن سے آزادی کی قدر پر اپنے وجود کا اظہار کر رہی تھی اب بے مہار ہوگئی ہے اور اس کے پیدا کردہ خطرات کا ازالہ مشکل ہوگیا ہے۔ اس جدید سائنس کی اسلامی صورت گری ممکن ہی نہیں البتہ عارضی طور پر دفاعی

ضرورت کے پیش نظر اس سے حدود کے اندر استفادہ کیا جا سکتا ہے۔
جدیدیت پسندوں کے نقطۂ نظر سے عروج تو صرف اور صرف سائنس سے ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پہلے ان گنت دولت جمع کر لیں۔ اس دولت کو جمع کرنے کا موقع اب مغرب تو آپ کو نہیں دے گا۔ پھر لوٹ مار کے بغیر کیا جدید سائنسی ترقی کا امکان ہے؟ اگر نہیں تو مغرب کا مقابلہ کیسے ہوگا؟

کیا زوال سے نکلنے کا راستہ نہیں ہے؟

اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے پاس زوال سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ زوال ہی ان کا مقدر ہے کیوں کہ تاریخ کا سفر ختم ہو گیا ہے اب مغرب کا فکر و فلسفہ اور اس کا طرز زندگی ہی آخری سچ ہے۔ لہٰذا اسلام سے دست بردار ہو کر مغرب کو اختیار کر لیا جائے۔ ہمارے مذہبی جدیدیت پسند مفکرین اصلاً یہی بات کر رہے ہیں لیکن استدلال یہ ہے کہ مغرب اور اسلام میں صرف کلمے کا فرق ہے۔ ان حالات میں ہمیں قرآن کے قصص کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن عروج و زوال کا کیا پیمانہ دیتا ہے؟ اگر پورا یورپ مسلمان ہو جاتا امریکہ مسلمان ہوتا تو کیا آج مسلمانوں کو یہ دن دیکھنے پڑتے، مسلمانوں کا زوال یہ نہیں تھا کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئے بلکہ ان کا اصل زوال یہ تھا کہ انھوں نے دعوت دین کا اصل سبق جس کے نتیجے میں کفار دائرہ اسلام میں جوق در جوق اور شوق در شوق داخل ہو سکتے تھے جسے قرآن نے فی دین اللہ افواجاً کہا اس سبق کو جان بوجھ کر فراموش کر دیا لہٰذا آج خود فراموش شدہ تاریخ ہیں مسلمان کا بنیادی کام اللہ کے پیغام کو عام کرنا اور روحانیت کے ذریعے اپنے طرز عمل سے لوگوں کو دائرہ دین میں داخل کرنا ہے، دنیا محض ضرورت ہے لہٰذا حسب ضرورت حاصل کرنا بھی ضروری ہے لیکن تمام توانائیوں کا ہدف صرف دنیا نہیں ہے۔ لوگوں کو مارنا مقصد زندگی نہیں ہو سکتا یہ حرام ہے اور بغیر کسی شرعی عذر کے بے گناہ کا قتل ناقابل معافی جرم ہے بلکہ اپنے مقصد کے لیے مرنا، جان دینا اور خون کی شہادت تحریر کرنا زندگی کا لازمی سبق ہے۔

مسلمانوں کا زوال: عروج کی غلط تشخیص

مسلمانوں کے طرز زندگی میں آخرت کو مرکزی مقام حاصل ہے جب یہ مقام پس پشت ہوا اور فتوحات، قصرۃ الزہرہ، باغات، محلات، مقبرے زندگی کا مقصد بن گئے تو مسلمان قبرستان کی اذان ہو گئے، آج بھی ہم مادیت پرستی کے طریقوں میں مبتلا ہیں۔ مغرب کی نقل کر کے اسے شکست دینا چاہتے ہیں انبیاء کا طریقہ کیا ہے؟ دین انبیاء کے طریقے سے غالب ہوگا خواہ یہ طریقہ ہمیں پسند ہو یا نہ ہو۔ حضرات انبیاء کرام موسیٰؑ، نوحؑ، محمدؐ، شعیبؑ، لوطؑ، کے اپنی قوم سے مکالمے پڑھ لیجیے ایک ہی پیغام ہے جو تمام چیزوں کا احاطہ کرتا ہے، دعوت دین اور غلبہ دین محض اسی طریقے سے ہوگا۔ انبیاء بھی اسی طریقے کے مطابق دعوت کا کام کرنے کے پابند تھے۔ کیا تاریخ میں کوئی پیغمبر موجد بھی پیدا ہوا؟ کیا انبیاء نے سائنس و ٹیکنالوجی کے ذریعے انقلاب برپا کیا؟ کیا دنیا میں انبیاء کا

انقلاب مادی ذرائع پر منحصر ہے؟

عروج کا راستہ: انبیاء نے سائنس دانوں کی آرزو کیوں نہ کی؟

اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔ میرا کام یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدّل کرلوں۔ میں تو بس وحی کا پیرو ہوں۔ (سورہ یونس، آیت ۱۵)

اپنے شریکوں کو لے کر متفقہ فیصلہ کرلو جو منصوبہ تمہارے پیش نظر ہو اس کو خوب سوچ سمجھ لوتا کہ اس کا کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہے پھر میرے خلاف عمل میں لے آؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ میں تم سے کسی اجر کا طلب گار نہ تھا کوئی مانے یا نہ مانے میں خود مُسلم بن کر ہوں۔ (سورہ یونس، آیت ۷۲)

اے نبیؐ اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آچکا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکتا ہے۔ (سورہ الرعد، آیت ۳۷)

پروردگار میں نے ایک بے آب و گیا وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے پروردگار یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں لہذا تو ان لوگوں کے دلوں کو ان کا مشاق بنا اور انھیں کھانے کو پھل دے شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔ اے میرے پروردگار مجھے نماز قائم کرنے والا بنا او رمیری اولاد سے بھی ایسے لوگ اُٹھا جو یہ کام کریں۔ (سورہ ابراہیم، آیت ۳۷۔۳۸۔۴۰) [پیغمبر نے اپنی اولاد میں سائنٹسٹ اور ٹیکنالوجسٹ پیدا کرنے کی دعا نہیں کی لیکن آج کل عالم اسلام کی یہی دعا ہے کہ غیب سے اسے سائنس داں مل جائے تو تقدیر بدل جائے یا کوئی بریف کیس میں مغرب کے تمام سائنسی راز چرا کر لے آئے جب کہ راز چرا لینے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا کیونکہ تجربات کے لیے وسیع و عریض تجربہ گاہیں درکار ہیں لہٰذا راز راز نہیں رہ سکتا۔]

تمہیں قرآنِ عظیم عطا کیا ہے۔ تم اُس متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے اور نہ ان کے حال پر اپنا دل کُڑھاؤ۔ (سورہ حجر، آیت ۸۸)

اے نبی ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تا کہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۳۔۷۴)

اے نبی تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں) سنا دو

کوئی اس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں اور اگر تم کسی کی خاطر اس میں ردوبدل کرو گے تو اس سے بچ کر بھاگنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے۔ اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو۔ (سورہ الکہف، آیت ۲۷)

کیا مذہبی معاشرہ مہلک ہتھیار ایجاد کرسکتا ہے؟

قرآن کی یہ آیات اس طریقہ کار کا تعین کرتی ہیں جس کے ذریعے امت کو دنیا میں عروج مل سکتا ہے حق پر ایمان حق پر قیام اور حق کے لیے جان دینا۔

ضروریات کے تحت مجبوریوں کے تحت بہت سی چیزیں اختیار کی جاتی ہیں کی جاسکتی ہیں ہمیشہ کی جاتی رہی ہیں لیکن وہ مقصد نہیں ہوتا۔ وہ ایک عارضی وقتی مرحلہ ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً جوہری طاقت حاصل کرنا اب مجبوری ہے کیوں کہ دشمن اسے ایجاد کر چکا ہے۔ مجبوری میں اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن کوشش اسی بات کی ہوگی کہ مہلک جوہری ہتھیاروں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے خواہ محبت سے خواہ طاقت سے۔ اس کے بنانے والوں کو فساد فی الارض کے جرم میں عبرت ناک سزا دی جائے اور انھیں نمونہ عبرت بنا دیا جائے لیکن اس کے لیے نعرے بازی اور ہنگامہ آرائی کی اجازت نہیں اس اس کا طریقہ وہی ہے جو قرآن کریم نے قصص انبیاء کے ذریعے امت پر قیامت تک کے لیے واضح کر دیا ہے۔

زوال کی اصل وجہ: جاہلیت سے ناواقفیت

ہر وہ تحریک اور فرد جو علم، عمل، کردار اور یقین کی دولت اور جاہلیت کی حقیقت سے واقفیت کے بغیر مغرب کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرے گا اسے عبرت ناک شکست ہوگی۔ حضورؐ نے فرمایا و علیٰ العاقل ان یکون بصیراً بزمانہ دانا شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے زمانے کو جاننے والا ہو۔ حضرت عمرؓ کا قول آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ ''مجھے خطرہ ہے کہ وہ شخص اسلام کی کڑیاں بکھیر دے گا کہ جس نے اسلام میں نشو و نما پائی اور جاہلیت کی حقیقت سے واقف نہ ہو'' جدیدیت پسند مفکرین کا المیہ یہی ہے کہ انھوں نے مغرب جیسی جاہلیت خالصہ کا علم حاصل کیے بغیر اس کی تائید و توثیق کر کے اسلام کی کڑیاں بکھیر دیں۔ امت کے علماء و صلحاء نے اس عمل کو اپنی محنتوں سے روک دیا ہے لیکن اب بعض علماء بھی اس عمل میں شریک ہو رہے ہیں۔ یہ علماء انگریزی بہت اچھی جانتے ہیں لیکن مغرب کے علوم فلسفے وغیرہ سے قطعاً ناواقف ہیں یہ خطرناک معاملہ ہے دین کے اصل محافظ علماء ہی ہیں وہی اس کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ مغرب کو جانے بغیر اور سائنس و سوشل سائنسز کی تاریخ سے واقفیت کے بغیر مغرب کی غیر علمی تائید خطرناک عمل ہے۔

اسلامی بینک کاری: جاہلیت سے ناواقفیت

Tarikh-e-Alam Correction

جاہلیت کی حقیقت سے ناواقف یقیناً دین کو تباہ کر دے گا، مغرب سے واقفیت کے بغیر مغرب کی تائید وتوثیق امت کی تباہی کا عمل ہے، اس کی واضح مثال اسلامی بینکاری ہے جو دراصل سودی بینکاری ہے اور اس میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔ یہ کیسی اسلامی بینک کاری ہے جو نئی گاڑیوں کے لیے قرضے فراہم کرتی ہے، پرانی گاڑیوں کی خریداری کے لیے قرضے مہیا نہیں کرتی۔ یہ بینکاری اونٹ، گھوڑے اور خچر کی خریداری کے لیے قرضہ نہیں دیتی کیوں کہ اس میں منافع بہت کم ہے۔ گاڑی کے لیے قرضے مضاربہ مشارکہ کے نام پر دیتی ہے لیکن انشورنس کو لازمی قرار دیتی ہے۔ اپنے مال کو ہر قسم کے خطرات سے تحفظ دے کر مال سے مال کمانا یہی تو سود ہے۔ اسلامی بینکاری مسلمانوں کا معیار زندگی مصنوعی طریقے سے بڑھانے کے لیے انھیں قرضے مہیا کرتی ہے جب کہ اسلامی تہذیب وتمدن اور تاریخ میں بلا کسی شرعی عذر کے قرضے لینے کی ممانعت ہے۔ خاتم المعصومینؐ کا ارشاد گرامی ہے کوئی شخص خواہ کتنی ہی بار زندگی پائے اور خدا کی راہ میں جہاد کر کے جان دیتا رہے مگر وہ جنت میں نہیں جاسکتا اگر اس پر قرض ہو اور وہ ادا نہ کیا گیا ہو یہ حدیث اسلامی بینکاری کے تمام جھوٹے دعووں کی قلعی کھولنے کے لیے کافی ہے۔ یہ کیسا اسلام ہے جو اس طرز زندگی، طرز تعیش اور طرز معیشت ومعاشرت کی طرف دعوت دے رہا ہے جس میں مبتلا شہید جنت کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسلامی بینکاری جنت میں بھیجنے کا زاد سفر مہیا کرنے کے بجائے جہنم میں لے جانے کے قطعی اور حتمی انتظامات کر رہی ہے کیونکہ وہ کسی مقروض کا قرضہ معاف کرنے کی قائل نہیں ہے اور کسی کو معافی دے کر جنت میں پہنچانے پر تیار نہیں ہے۔

قرضوں کی معیشت: نیا اسلام

رسالت مآب صلعم نے مقروض صحابی کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرما دیا اور شہید کے بارے میں کہا کہ اگر وہ مقروض ہے تو جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ قرضوں پر استوار کیا جانے والا طرز زندگی غیر اسلامی بلکہ کافرانہ طرز زندگی ہے جس کا مقصد اپنی حیثیت سے بڑھ کر آسائش دنیا حاصل کرنا، اس میں مگن رہنا اور شب وروز قرضے ادا کرنے کی فکر میں مبتلا ہو کر سرمایہ داری کا کل پرزہ بن جانا ہے۔ رسالت مآبؐ نے فرمایا سادگی ایمان کا اثر ہے آپ کی پوری زندگی سادگی سے عبارت تھی۔ ''الفخر فقری'' آپ کا لقب ہے۔ اس پیغمبر کے امتی قرضوں اور سود پر مکان، دکان اور گاڑیاں خرید کر اسلامی تہذیب وتمدن کو تباہ کر رہے ہیں یا اسلامی تہذیب وتمدن کی بنیادوں کو مضبوط کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ اسلامی بینک کاری کے نام پر قرضوں کے ذریعے اسلامی تہذیب کی اقدار و روایات کو تباہ کر کے اسے مغربی سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے اور عالم اسلام پر مجموعی سکوت طاری ہے۔

اسلامی بینک کاری: مقروض کے لیے کوئی مہلت نہیں

قرضہ لینے والا اگر قسط مقررہ وقت پر ادا نہ کر سکے تو دو تین ہزار روپے جرمانہ ادا کرنا ہوتا ہے جب کہ رسالت مآبؐ کا حکم ہے کہ قرض دار کو مہلت دو، مہلت دو مہلت دو نرمی برتو اور ممکن ہو تو معاف کر دو۔ اسلامی بینک

کاری ارشادِ رسالت مآب ؐ کو مسترد کرتی ہے اور دلیل یہ دیتی ہے کہ بجلی گیس کے بل کی ادائیگی پر جس طرح اضافی رقم لی جاتی ہے یہ رقم بھی اسی کی شکل ہے۔ ان بینکوں کے شرعی مشیر بجلی گیس کے واجبات اور قرضے میں موجود فرق بھی سمجھنے سے قاصر ہیں اور اس اہلیت کے ساتھ مغربی معیشت کو اسلامی سانچے میں ڈھال رہے ہیں۔ اسلامی بینکاروں کے مشیروں کی یہ رائے ارشادِ رسالت مآب ؐ کے انکار پر مبنی ہے۔ جدیدیت اسی طرح اسلامی معاشروں میں سرایت کرتی ہے۔ اسلامی بینکاری سرمایہ دارانہ اور سودی نظام کی مذہبی صورت ہے۔

الائنس موٹرز کا کاروبار بھی حلال قرار دیا گیا تھا:

مصر کے جید علماء نے اسلامی بینک کاری کا زبردست محاسبہ اور محاکمہ کیا ہے اور اسے سودی نظام قرار دیا ہے۔ پاکستان میں بھی علماء نے اس کو سرمایہ دارانہ نظام کا کل پرزہ کہا ہے لیکن علماء کی غالب اکثریت اس مسئلے پر خاموش ہے کیوں کہ وہ ان مباحث سے واقف نہیں ہے لہٰذا اسلامی بینک کاری کے حق میں اور اس کے خلاف لکھے گئے مقالات کا تقابلی مطالعہ کر کے کوئی رائے اخذ نہیں کر سکے۔ اسلامی بینکاری کے اسلامی ماہرین معیشت کے بنیادی مباحث سے بھی ناواقف ہیں۔ انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کاروبار کیسے ہوتا ہے؟ فطری اور غیر فطری شرح منافع کیا ہوتی ہے؟ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہی ماہرین اسلامی اقتصادیات نے الائنس موٹر کے کاروبار کو حلال قرار دیا اور ان کے فتویٰ کے نتیجے میں لاکھوں رزق حلال کمانے والوں نے یہاں سرمایہ کاری کی، لاکھوں شرفاء کا روپیہ ڈوب گیا لوگوں نے اپنے گھر بیچ کر یہاں پیسہ لگایا، دنیا میں کوئی ایسا کاروبار نہیں ہے کہ آپ آج روپیہ لگائیں اور اگلے مہینے سے آپ کو معقول منافع ملنے لگے۔ یہ سٹہ اور جوئے کی ایک قسم تھی کہ لوگ پیسہ لگا کر منافع وصول کرتے تھے اور منافع خرچ کرنے کے بجائے دوبارہ کاروبار میں لگا دیتے تھے۔ الائنس موٹر نے تمام جائیدادیں کمپنی کے نام پر نہیں ڈائریکٹروں کے بیوی بچوں وغیرہ کے نام پر بنائیں، ان کا کوئی کاروبار نہ تھا، کارپوریٹ لاء اتھارٹی میں ان کا ادا شدہ سرمایہ صرف چند سو روپے تھا۔ یہ صرف ادھر سے پیسہ لے کر ادھر دیتے تھے، اس جعلی کاروبار کی توثیق بھی ہمارے بعض سادہ لوح علماء نے کی کیونکہ معیشت سے وہ قطعاً ناواقف تھے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی الائنس کے کاروبار کی توثیق کی تھی۔ کم از کم اس کے خلاف کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اس کاروبار سے متعلق حاجی عثمان صاحب کی خانقاہ بھی ایک الگ باب ہے۔ جو علماء الائنس موٹر کے کاروبار کی حقیقت نہ سمجھ سکے اور عوام کی رہنمائی نہ کر سکے وہ سودی معیشت کو اسلامی معیشت بنانے کے بے بنیاد دعویٰ کر رہے ہیں جب کہ اس وقت دنیا میں بینکاری صرف سودی کاروبار پر منحصر ہے اور تمام اسلامی بینک سودی بینکاری کر رہے ہیں اسلامی بینکوں میں میزان کو خاص مقام حاصل ہے اور اسے پاکستان کا پہلا اسلامی بینک کہا جاتا ہے کیا یہ اسلامی بینک ہے؟ اس تناظر میں درج ذیل سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں جو مختلف علماء کرام نے میزان بینک کے حوالے سے اٹھائے ہیں۔ اس سوالنامے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے بنیادی مباحث سے انکار ممکن نہیں۔ ان سوالات میں امت مسلمہ کی تشویش شامل ہے۔

Tarikh-e-Alam Correction

☆ میزان بینک کا دعویٰ ہے کہ وہ سود کا متبادل مہیا کرتا ہے اور وہ پاکستان کا پہلا اسلامی بینک ہے، لیکن اسٹیٹ بینک کے قواعد وضوابط، ٹریژری بلز کے لین دین، اسٹاک ایکسچینج میں بینک کی شمولیت اور موجودہ مروجہ قواعد بینکاری کے مطابق میزان بینک دیگر تمام سرکاری، نجی، اور شیڈولڈ بینکوں کی طرح سراسر اول تا آخر سودی بینکاری میں ملوث ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کراچی سے ایم بی اے کے طلباء کے لیے شائع کردہ کتاب Money & Banking in Pakistan کے صفحہ نمبر ۲۲۱ پر واضح الفاظ میں درج ہے کہ:

The only Islamic bank in existence in June 2003 was Meezan Bank, which was typical of Islamic banks operating in the Gulf - highly secretive, guaranteeing fixed return on many instruments and operating at the top of the market.

یہ سطور میزان بینک کی سودی بینک کاری کی تائید وتصدیق کرتی ہیں۔ میزان بینک نے آج تک اس کی تردید نہیں کی لہٰذا سودی بینکاری کو اسلامی بینکاری کے نام سے متعارف کرانا کیا امت کو دھوکہ دینا، دجل، فریب نہیں ہے اس فریب کاری کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

☆ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی مذکورہ بالا کتاب ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی، اس کے ٹھیک ایک سال بعد میزان بینک کے مشیر مذہبی جناب تقی عثمانی صاحب نے میزان بینک کی سالگرہ پر ۴/دسمبر ۲۰۰۵ء کو روزنامہ امت [صفحہ ۵، ۷] کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:

امت: اس وقت جاری نظام سے کس حد تک مطمئن ہیں؟

تقی عثمانی: مثالی نظام مشارکہ اور مضاربہ معاشی انصاف فراہم کرسکتا ہے وہ وقت ابھی دور ہے کیونکہ مشارکہ اور مضاربہ کا استعمال Assests سائڈ پر بہت کم ہے اور استعمال کم ہوئے پھر ان کی بنیاد میں اوپر Investment کم ہے لہٰذا اس کی جگہ ثانوی نوعیت کی پروڈکٹ اجارہ، مرابحہ، diminishing، musharika وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ ان میں مشکل یہ ہے کہ bench mark وہی رہتا ہے جو سودی نظام میں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو روپیہ ادھار دینے کے بجائے کتاب بیچ دی کہ چھ مہینے بعد دینا۔ کتاب بیچی لیکن نفع fix کردیا اور ایک مخصوص مدت بعد وصولنے کا معاہدہ کرلیا۔ اس منافع کمانے کا بینچ مارک وہی ہے جو سودی نظام کا ہے اس لیے اسلامی نظام کے معاشرے پر جو اثرات ہونے چاہیے تھے وہ ابھی تک نہیں ہو رہے۔ ثانوی ذرائع استعمال کرنے کی بڑی وجہ اسلامی بینک نجی ہیں کوئی بھی حکومت Sponsored نہیں۔ قوانین کے پابند، Taxes وغیرہ، لہٰذا بہت محدود دائرے میں کام کرتے ہیں۔ اس لیے مجبوراً مارکیٹ میں رہنے کے لیے bench mark وہی استعمال کررہے ہیں۔ روایتی بینک والی اس کی وجہ سے مطلوبہ اثرات پوری طرح حاصل

نہیں ہورہے۔

اس جواب میں حضرت نے واضح الفاظ میں اعتراف فرمایا کہ ''مشارکہ مضاربہ کا استعمال اثاثوں کی طرف بہت کم ہے اور ثانوی ذرائع اجارہ مرابحہ استعمال ہورہے ہیں۔ ان میں مشکل یہ ہے کہ Bench mark وہی رہتا ہے جو سودی نظام میں ہے۔ حضرت خود فرماتے ہیں کہ اسلامی بینک پیسہ دینے کے بجائے چیز دیتے ہیں مثلاً کتاب بیچی لیکن نفع fix کر دیا اور ایک مخصوص مدت بعد وصولنے کا معاہدہ کیا۔ اس منافع کمانے کا بینچ مارک وہی ہے جو سودی نظام کا ہے۔'' جب میزان بینک کے مشیر شرعی خود اعتراف فرمارہے ہیں کہ میزان بینک کے کاروبار کا تمام تر طریقہ ضابطہ قاعدہ سودی نظام کا ہے اور نفع متعین ہے تو میزان بینک کے اسلامی بینک ہونے کا کیا جواز ہے؟ کیا ایک مکمل سودی بینک سے غیر سودی معاملہ کیا جاسکتا ہے؟ کیا میزان بینک کو اسلامی بینک قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا سود کو کسی اور نام سے عام کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

☆ کیا اسلامی طرز زندگی میں کسی ادارے یا بینک کو اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کے خلاف طرز زندگی کو فروغ دے اس کے لیے لوگوں کو اکسائے اور ان کی خواہشات نفس کو بھڑکا کر اپنا کاروبار چمکائے کیا اسلام لوگوں کو اپنی حیثیت سے بڑھ کر معیار زندگی اختیار کرنے کے لیے سود پر یا بغیر سود قرض لینے کی اجازت دیتا ہے۔ کیا قرض لے کر اعلیٰ معیار زندگی اختیار کرنا اسلامی معاشرے اور اسلامی شخصیت کو مطلوب ہے؟ جو ادارے خصوصاً میزان بینک اس قسم کی معیشت اور ثقافت کو عام کررہے ہوں ان کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

☆ میزان بینک عالیشان گاڑی، مکان کے لیے قرضے دیتا ہے لیکن ان قرضوں پر مقررہ شرح سے سود وصول کرتا ہے جسے نفع، مرابحہ، اجارہ کا شرعی نام دے کر مغالطہ پیدا کرتا ہے؟ کیا غیر اسلامی مسرفانہ عیاشانہ طرز زندگی اختیار کرنے پر اکسانا فساد فی الارض نہیں ہے اور مغربی طرز معاشرت یعنی کریڈٹ کارڈ قرض پر زندگی گزارنے پر مجبور کرنا قرآن کے نص کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ انا المبذرین کان اخوان الشیاطین۔

☆ رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ مقروض کو رعایت دو، رعایت دو، رعایت دو اور قرض ادا نہ کر سکے تو قرض معاف کردو لیکن میزان بینک مقروض کو کسی قسم کی رعایت نہیں دیتا بلکہ قرض میں ایک دن کی تاخیر پر بھاری جرمانے عائد کرتا ہے اور اس بھاری جرمانے کو صدقہ کا نام دیتا ہے۔ کیا جبراً حاصل کی جانے والی رقم صدقہ ہے؟ کیا صدقہ دینے والا شرعاً مجبور ہے کہ صدقہ بینک کو دے؟ کیا بینک وہ محتاج ہے جو صدقہ وصول کرنے کا مکلّف ہے؟ کیا جرمانے کو صدقے کا شرعی نام دینا احکام الٰہی کے ساتھ مذاق نہیں ہے۔

☆ میزان بینک سرمایہ دارانہ نظام کیپٹل ازم کا کل پرزہ ہے لہٰذا یہ صرف سرمایہ داروں اور سرمایہ داری کی افزائش کے لیے کام کرتا ہے۔ میزان بینک سے صرف نئی گاڑی کے لیے قرضہ مل سکتا ہے کیونکہ نئی گاڑی کی قیمت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا قسطیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور زیادہ قسطوں پر زیادہ سود ملتا ہے لیکن میزان بینک پرانی گاڑی، گدھا

گاڑی وغیرہ کے لیے قرضہ نہیں دیتا کیونکہ اس میں شرح سود اور منافع بہت کم ہوجاتا ہے اور سودی بینکاری کا اصل ہدف زیادہ سے زیادہ منافع کمانا ہے۔ اس کا مقصد افادہ عام نہیں نہ ہی عام لوگوں کو فائدہ پہنچانا بلکہ اس طبقے کی خدمت کرنا جو پہلے ہی خود کفیل ہے اور مزید امیر بننا چاہتا ہے۔ کیا اسلام عادلانہ منافع کی شرط عائد نہیں کرتا؟ کیا اسلام میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی اجازت ہے تاکہ عام لوگوں کا استحصال ہو۔ میزان بینک کے لیے کیا حکم ہے؟ میزان بینک کی جانب سے نئی گاڑی کے قرضے کی سہولت کو صرف ایک سادہ معاملے کے طور پر دیکھا جائے گا اور بینک اور سرمایہ دارانہ نظام اور زیادہ سے زیادہ منافع کا پس منظر سامنے نہ ہوگا تو کوئی بھی مفتی نہایت سادگی سے اس کے جواز کا فتویٰ دے سکتا ہے لہٰذا بینکاری کی مابعد الطبیعیات، الٰہیات، سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ نظام سے واقفیت کے بغیر فتویٰ درست نہیں ہوگا۔ یہ بات واضح رہے کہ کوئی بھی اسلامی بینک متوسط اور غریب طبقوں کے لیے قرضے مہیا نہیں کرتا۔ قرضے صرف امراء کو دیئے جاتے ہیں، قرض کا اصول یہی ہے کہ اسے دو جو یہ ثبوت مہیا کر سکے کہ میرے اثاثے قرض سے زیادہ ہیں یا میں صاحب حیثیت ہوں، پرتعیش زندگی اور کنزیومر فنانس اسکیم کے باعث بینکنگ کے کاروبار میں زبردست [۳۵ فی صد] اضافہ ہوا ہے دوسری طرف پاکستان کا تجارتی خسارہ ۶ ارب ڈالر ہوگیا ہے۔ پاکستان کے ۳۴ کمرشل بینک اور تمام اسلامی بینک کنزیومر بینکنگ کی وجہ سے پھل پھول رہے ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں اس شعبے کے قرضہ جات ۹۶ بلین تھے جو دسمبر ۲۰۰۵ء میں ۲۵۷ بلین روپے ہو چکے ہیں۔ گویا تمام سرمایہ کاری تعشیات اور مسرفانہ زندگی کے نام پر کی جارہی ہے۔ ذاتی قرضے اور کریڈٹ کارڈ کے نام پر ۱۳۷ بلین روپے کے قرضے لوگوں کو دیئے گئے، ہر شخص قرض کی سنہری زنجیر میں جکڑا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ بینکوں سے استفادہ کرنے والے ننانوے فی صد لوگ صرف پانچ بڑے شہروں سے تعلق رکھتے ہیں، کیوں کہ شہر ہی سرمایہ داری کی محفوظ پناہ گاہ ہوتے ہیں اور شہر والے اسلامی طرز زندگی کو جدیدیت کی چکا چوند میں بھول جاتے ہیں اور شہروں میں بعض جدیدیت پسند علماء جو آٹے میں نمک کے برابر ہوتے ہیں لوگوں کے غیر اسلامی رویوں اور طرز زندگی کی شرعی تاویلات مہیا کرتے ہیں۔

☆ میزان بینک سمیت دنیا میں کوئی بھی ایک بینک ایسا نہیں ہے جو زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کو اپنا ہدف نہ بناتا ہو۔ سرمایہ دارانہ نظام میں حرص و حسد کو مرکزی مقام حاصل ہے اور سرمایہ دارانہ انفرادیت ارتکاز دولت کی ہر صورت کو جائز قرار دیتی ہے۔ کیا اسلام وحشیانہ منافع کمانے کی اجازت دیتا ہے؟ عادلانہ منافع سے انکار کرنے والے میزان بینک کو اسلامی بینک کہا جا سکتا ہے۔

☆ رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ جو شخص مقروض مرا اس کی بخشش نہیں ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ شہید اگر مقروض ہے تو جنت کی خوشبو نہ سونگھ سکے گا۔ آپ نے فرمایا کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے۔ ان احکامات کی روشنی میں لوگوں کو اشتہار بازی کے ذریعے مقروض کرنا کیا سنت و حدیث سے انحراف نہیں ہے؟ کیا اسلام میں اس

انحراف کی اجازت ہے؟

☆ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے کھاتے داروں کی تعداد تین کروڑ ہے لیکن ان کھاتے داروں کی رقومات سے قرضے لے کر کاروبار کرنے اور صنعتیں لگانے والوں کی تعداد ۰ء۰۰۰۰۳ فیصد ہے۔ ان ۰ء۰۰۰۰۳ فی صد میں کتنے سرمایہ کار ہوں گے جو غیر سودی سرمایہ سے اپنے کاروبار کو منظم کرنا چاہیے ہیں۔ محتاط اندازے کے مطابق ان کی تعداد ۰ء۰۰۰۰۰۸ فیصد بھی نہیں ہے۔ کیا اس اقلیت کی خاطر اسلامی بینکاری کا فریب دینا شرعاً جائز ہے؟ کیا اسلامی معاشرے میں ہر شخص کو مقروض بنانا بینکوں کا اسیر بنانا شرعاً جائز ہے یا شریعت کو مطلوب ہے؟ کیا میزان بینک کو اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ پوری امت کو قرض کی زنجیر میں اسلام کے نام پر جکڑ دے؟

☆ دنیا بھر کے ماہرین معیشت کا اجماع ہے کہ بینکاری کی بنیاد No Risk پر ہے۔ ہر بینک صرف اور صرف محفوظ منافع اور زیادہ سے زیادہ منافع کے لیے کاروبار کرتا ہے اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں سے مقررہ شرح سود پر روپیہ وصول کر کے اسے محفوظ طریقے سے زیادہ شرح سود پر محفوظ ہاتھوں میں پہنچا دے اور حاصل شدہ سود سے ادائیگیاں کر کے اپنے منافع میں مسلسل اضافہ کرتا رہے۔ اسلامی بینکوں اور میزان بینک کا طریقہ کار بھی یہی ہے۔ کیا اس کافرانہ طریقے کی کسی طریقے سے اسلام کاری کی جاسکتی ہے؟

☆ میزان بینک کا براہ راست تعلق سود، سٹے، زر اور سرمائے کے بازار سے ہے۔ لہٰذا بغیر سود کے میزان بینک کا کاروبار ممکن نہیں ہے۔ کیا اس سودی کاروبار کو شرعی جواز دیا جاسکتا ہے؟

☆ غیر سودی بینکاری کا منصوبہ عالمی بینک کا منصوبہ ہے جس کا مقصد ان لاکھوں کاروباری لوگوں کی دولت و ثروت کو ریکارڈ پر لانا تھا جو بینکوں سے سودی لین دین کے باعث کاروبار نہیں کرتے تھے اس طرح کھربوں روپے عالمی بازار زر سے باہر تھے اور روپے کی اس طاقت کا اندازہ نہیں ہوتا تھا اور یہی روپیہ اسلامی تحریکوں، مدارس، مساجد، دینی لٹریچر کی سرپرستی میں خرچ ہوتا تھا۔ اسلامی بینکاری کے نام پر عالمی بینک نے ان لاکھوں لوگوں کی دولت کو اپنے شکنجے میں کس لیا جو خاموشی سے خیر کے کاموں میں مدد کرتے تھے۔ میزان بینک بھی عالمی بینک کے اس وظیفے کو پورا کر رہا ہے۔ کیا امت کے لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ان اسلامی بینکوں میں اپنا سرمایہ نہ جمع کرائیں تاکہ دشمن کی نظروں سے محفوظ رہیں؟

☆ بلاسود بینکاری کے نام پر اور خصوصاً المیزان بینک کے نام سے صنعت کاری وغیرہ میں سرمایہ کاری کے بجائے تمام قرضے اشیاء صرف کار گھر وغیرہ کے لیے دیے جا رہے ہیں تاکہ لوگوں کو پر تعیش زندگی کا عادی بنا کر اپنی آمدنی سے زیادہ اخراجات کے سودی طلسمی دھندے میں مبتلا کر کے امت مسلمہ کو تباہ کر دیا جائے۔ کیا میزان بینک سے اشیاء صرف کے لیے قرضے لینا شرعاً جائز ہے؟

☆ میزان بینک کے حامیوں کی جانب سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ تمام اعتراضات درست ہیں لیکن اس کا متبادل

Tarikh-e-Alam Correction

کیا ہے؟ کیا اسلام سود کے لین دین سے اجتناب کے سوا سود کا کوئی اور متبادل بتا تا ہے؟ سود لینے دینے والوں سے اللہ کی کھلی جنگ ہے۔ کیا صنعتوں تعیشات اور اعلیٰ معیار زندگی و ترقی کے لیے مسلمانوں کو اللہ سے جنگ پر اکسانا اسلامی بینکاری ہے۔ کیا میزان بینک کی بینکاری طاغوت محض نہیں ہے؟

☆اسلامی بینکاری کا پہلا تجربہ ۱۹۶۷ء میں مصر میں کیا گیا جو ناکام ہو گیا۔ ۱۹۷۰ء میں کراچی کے ایک بینکار محمد احمد نے اسلامی بینک قائم کیا جو ناکام ہو گیا۔ مصر میں اسلامی بینکاری کے خلاف شدید ترین مزاحمت کی گئی ہے لوگوں نے تمام سرمایہ نکال لیا لہٰذا حکومت کو بینکوں کی مدد کرنا پڑی۔ کیا میزان بینک کے خلاف اسی قسم کی مزاحمت جائز ہے یا نہیں؟

☆۱۹۹۱ء میں وفاقی شرعی عدالت نے اس بات کی تصدیق کی کہ ملک کے مالیاتی نظام کو غیر سودی نظام میں تبدیل نہیں کیا گیا ہے اور موجودہ نظام مکمل طور پر سودی لین دین پر مبنی ہے۔ ۱۹۹۹ء میں سپریم کورٹ نے حکم جاری کیا کہ حکومت ۲۰۰۱ء تک ملک میں مکمل غیر سودی نظام رائج کرے۔ اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی ۲۰۰۲ء میں کمیٹی کا کام نامکمل ثابت ہوا۔ جسٹس تقی عثمانی کو شریعت بینچ سے نکال دیا گیا۔ وفاقی شرعی عدالت پر دباؤ ڈالوا کر اسلامی بینکاری کے نظام کی طرف منتقلی کا پہلا حکم واپس لے لیا گیا۔ ڈاکٹر عشرت حسین نے اسلامی نظریاتی کونسل کی ۱۹۸۰ء میں نافذ کی گئی اس پابندی کو اٹھا لیا کہ جس کے مطابق موجودہ مالیاتی سودی نظام میں اسلامی بینک قائم نہیں کیے جا سکتے۔ ان حالات میں میزان بینک سراسر سودی بینکاری کے سوا کوئی اور کاروبار نہیں کر سکتا؟ اس صورت میں کیا میزان بینک سے کاروبار لین دین جائز ہے جب کہ یہ سو فی صد سود پر مبنی ہے صرف سود کا نام اسلامی اصطلاحات سے بدلا گیا ہے؟

☆اسلامی بینکاری مالیاتی نظام کے تمام اہم مراکز اس وقت لندن، جینوا اور بہاماس میں ہیں، کسی بھی ایک اسلامی ملک میں نہیں کیوں کہ اس نظام کا خالق عالمی بینک اور آئی ایم ایف ہے تا کہ مسلمانوں کو غیر سودی بینکاری کے نام پر سودی کاروبار میں لگایا جائے۔ اسلامی بینکاری اور میزان بینک سمیت تمام بینکوں کے لیے اسلامی اجتہادات ہارورڈ کے ادارے HIFIP ہاورڈ اسلامی فنانس انفارمیشن فورم کرتا ہے یہ اجتہادات عالم اسلام کے کسی مدرسے مسجد، خانقاہ میں نہیں ہوتے اور اسلامی بینکوں کے شرعی مشیران کا کام صرف یہ ہے کہ وہ HIFIP کے اجتہادات کو من و عن نافذ کرانے کے لیے شرعی حیلے تلاش کریں۔ HIFIP میں علماء شامل نہیں ہیں۔ کیا ایک غیر مسلم ادارے سے نام نہاد اسلامی بینکاری اور میزان بینک کے لیے کیے گئے اجتہادات مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہو سکتے ہیں؟

☆اسلامی بینکاری اور المیزان کے مشیروں کی اکثریت کا اسٹاف بے پردہ خواتین پر مشتمل ہے۔ جب یہ مشیر اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ اپنے عملے سے خواتین کو ہٹا سکیں تو یہ بے چارے عالمی سودی نظام کو کیسے اسلامی بینکنگ سے

Tarikh-e-Alam Correction

الگ کر سکتے ہیں؟ کیا ان حالات میں ان شرعی مشیروں کے فتوؤں کو اہمیت دی جا سکتی ہے۔

☆ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہونے والی کتاب Politics of Islamic Finance میں اسلامی بینکاری اور المیز ان بینک کی بلاسود بینکاری کے جھوٹے دعوؤں کی حقیقت تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔اس کتاب کے رد میں المیز ان بینک یا مفتی تقی عثمانی کی جانب سے کچھ نہیں لکھا گیا۔اس صورت حال میں المیز ان بینک کا مقاطعہ ضروری ہے یا نہیں؟

☆ بینکاری سرمایہ دارانہ نظام کا ایک اہم جز و ہے، جہاں زر کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور اس خرید وفروخت کے نتیجے میں بینک جو منافع کماتا ہے وہ سود ہوتا ہے۔اسلامی بینکاری بھی جدید بینکاری کی طرز پر زر کا لین دین کرتی ہے۔عملاً سودی بینکاری اور اسلامی بینکاری میں فرق نہیں ہے۔صرف اصطلاحات کا فرق ہے کہ اسلامی بینکاری میں اسلامی اصطلاحات کو استعمال کیا جاتا ہے جیسے اجارہ، مرابحہ وغیرہ۔کیا محض اصطلاحات کے فرق سے کوئی ادارہ شرعی جواز حاصل کرسکتا ہے؟

☆ اسلامی نظریاتی کونسل نے ۱۹۸۰ء میں فیصلہ دیا تھا کہ ''بینکوں میں مرابحہ اور اجارہ کا طریق کار سود کو پچھلے دروازے سے داخل کرنے کے مترادف ہے۔اس طریق کار کو کراہت کے ساتھ عبوری طور پر اپنایا جاسکتا ہے مستقل نہیں''......سوال یہ ہے کہ آج تمام اسلامی بینک اجارہ اور مرابحہ کے طریق کار کو مستقل چلا رہے ہیں اور اسلامی بینکوں کا اسی سے نوے فی صد لین دین اجارہ اور مرابحہ پر ہے۔کیا اس حکمت عملی کو مستقل بنیادوں پر اپنانا شریعت کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟ المیز ان بینک بھی اسی اصول پر کام کر رہا ہے۔کیا اس کا کاروبار جائز کہلا سکتا ہے؟

☆ جب اسلامی بینک قائم کیا جاتا ہے تو ابتدائی طور پر رقوم فراہم کرنے والے اور بعد میں کھاتے دار جو اپنا سرمایہ بینک میں رکھواتے ہیں ان کے بارے میں بینک کے پاس کوئی ایسا ضابطہ نہیں کہ وہ معلوم کر سکے کہ فراہم کردہ مسائل رقوم جائز ذرائع سے دستیاب ہوئیں یا ناجائز اور سودی ذرائع سے یعنی اس مال وسرمایہ کی شفافیت کے بارے میں کچھ علم نہیں ہوتا۔دوسری طرف جو شخص قرضہ حاصل کرتا ہے اس کے بارے میں علم نہیں ہوتا کہ وہ شخص یہ رقم جائز وحلال تجارت میں لگائے گا یا سودی کاروبار میں۔میزان بینک قوانین کے تحت کسی کو مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ لازماً حلال کاروبار میں پیسہ لگائے یا صرف حلال مال رکھنے والوں کا کھاتہ کھولے، مال کے معاملے میں تحقیق کا اختیار نہیں، بینک کسی کا کھاتہ کھولنے سے انکار نہیں کرسکتا، نہ کسی کو حلال وحرام کی قید لگا کر قرضہ دینے سے روک سکتا ہے۔اگر قرض لینے والا سودی کاروبار کرے اور اس رقم سے بینک کا قرضہ اتارے تو کیا بینک کے لیے ایسی رقم کا وصول کرنا جائز ہوگا؟ اور حرام مال رکھنے والے کھاتہ دار کے سرمایے سے اپنے سرمایے میں اضافہ جائز ہوگا؟

☆ اسلامی بینک جو کہ ایک ثالث کا کردار ادا کرتا ہے اس کا کام مالی وسائل حاصل کرنے والوں اور مالی وسائل

فراہم کرنے والوں کے درمیان ثالث کا ہے کہ ایک فریق سے لے کر دوسرے ضرورت مند فریق کو وسائل فراہم کرے۔ کیا اسلامی بینک زر سے زر کمانے کے اس لین دین پر منافع حاصل کر سکتا ہے؟

☆ کیا زر کی خرید وفروخت کا منافع سود نہیں ہے؟

☆ اسلامی بینکاری میں ایک عقد کا دوسرے عقد سے اختلاط ہوتا ہے۔ مثلاً اسلامی بینکاری کے ابتدائی وسائل مہیا کرنے والے انویسٹرز آپس میں مشارکت کرتے اور کھاتے داروں سے مضاربت کے نام پر معاملہ کرتا ہے۔ مشارکت اور مضاربت کے اس ملاپ کو بینک ''مشارکہ'' کا نام دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مشارکت اور مضاربت کا یہ ملاپ درست ہے؟ اور بینک کن اصولوں پر اپنا منافع وصول کر سکتا ہے؟

☆ اسلامی بینک اسٹاک ایکسچینج میں اپنے آپ کو دیگر اداروں کی طرح رجسٹرڈ کرواتا ہے جہاں پر اس کے اسٹاک کی قدر دیگر سودی اداروں کے اسٹاک کے برابر ہوتی ہے اور اسلامی بینک کے اسٹاک پر بھی اسی طرح سٹہ کھیلا جاتا ہے جس طرح دیگر سودی اداروں کے اسٹاک پر کھیلا جاتا ہے۔ کیا اسلامی بینک کے اسٹاک پر سٹہ کھیلا جا سکتا ہے؟ کیا اسٹاک ایکسچینج کے تحت کوئی بھی ادارہ اسلامی ادارہ کہلا سکتا ہے؟

☆ میزان بینک میں اکاؤنٹ کھول کر بطور مشارکہ یا مضاربہ کاروبار کرنا جائز اور درست ہے یا نہیں؟

☆ میزان بینک سے بالاقساط معاملہ کی صورت میں قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے ''صدقہ'' کے نام سے جو رقم لی جاتی ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

☆ عقدِ شرکت وعقدِ مضاربت کرتے وقت شرکت ومضاربت ختم نہ کرنے کی شرط لگانا شرعاً کیسا ہے؟ یعنی عقدِ شرکت ومضاربت کے دوران وقت متعین کیا جاتا ہے اور اس متعینہ مدت سے پہلے شرکت ومضاربت کو ختم نہ کیے جا سکنے کی شرط لگانا۔

☆ بینک کے اثاثہ جات کا انشورنس کیا جاتا ہے کیا شرعاً انشورنس جائز ہے؟ جب کہ بینکنگ کے نظام کو انشورنس کے بغیر برقرار نہیں رکھا جاتا اور اسلامی بینکاری کے نام سے بینکنگ کرنے والے ادارے انشورنس سے مستثنیٰ نہیں۔

☆ عقد کرتے وقت مضارب کو نفع کا تناسب معلوم نہیں، اس کی وجہ بینک میں مسلسل رقم کی آمد ہے۔ اختتامِ عقد کے وقت نفع کا تناسب معلوم ہو جاتا ہے کیا یہ جہالت مفسدِ عقد ہے یا نہیں؟

☆ کار اجارہ اسکیم کا کیا حکم ہے؟

☆ اجارہ منتہیہ بالتملیک یعنی مستاجر اجرت کی تمام قسطیں ادا کرنے کے بعد اسی شی مستاجرہ کا سابقہ عقد کی بناء پر مالک بن جاتا ہے۔ اس طرح کا اجارہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

☆ بینک جس چیز کو اجارہ پر فراہم کرے گا وہ انشورڈ ہوتی ہے۔ نقصان کی صورت میں ضمان بینک پر نہیں ہوتا بلکہ

انشورنس کمپنی پر ہوتا ہے۔اجارہ کی صورت میں اس سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

☆ بینک کو چلانے اوراس کی کارکردگی کو دیگر اسلامی بینکوں کے قریب کرنے کے لیے خروج عن المذہب یا تلفیق بین المذاہب جائز ہے یا نہیں؟ مثال کے طور پر مقروض پر دباؤ ڈالنے کے لیے کہ قرضہ بروقت ادا کرے دوسرے بینک سود لیتے ہیں جب کہ مذکورہ بینک میں ''صدقہ'' کے نام سے مقروض سے اتنی رقم لی جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

☆ مذکورہ بینک اسٹیٹ بینک کے ماتحت کام کرتا ہے جب کہ اسٹیٹ بینک کا معاملہ تمام بینکوں سے یکساں ہوتا ہے، اس میں قرض کالین دین سود کی بنیاد پر ہوتا ہے جو کہ ہر بینک کے لیے ضروری ہوتا ہے، کیا مذکورہ بینک کے لیے اس مجبوری کے تحت سودی قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟

☆ بینک بیک وقت مضارب بھی ہے اوراپنا سرمایہ لگانے کی وجہ سے شریک بھی ہے اورعقد کرتے وقت یہ صورتحال ہے تو کیا ایک ہی وقت میں ایک آدمی ایک ہی معاملہ میں شریک بھی ہو اور مضارب بھی ہو کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

☆ پاکستان میں اسلامی بینکاری کے بانیوں میں ڈاکٹر حسن الزماں اور محمد حسین چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ اہم ترین نام ہیں، ان دونوں حضرات نے نہایت اخلاص سے بلاسود بینکاری کے تجربات کیے اور مفتی تقی عثمانی صاحب نے انہی کی نگرانی اور تربیت میں بینکاری کی سوجھ بوجھ حاصل کی۔لیکن اب یہ دونوں بینکار اسلامی بینکاری سے توبہ کر کے جسٹس تقی عثمانی صاحب سے الگ ہوگئے ہیں۔ڈاکٹر حسن الزماں نے اس سلسلے میں بہت سے سوالات تحریری طور پر تقی عثمانی صاحب کو ارسال کیے ہیں لیکن امت کے شیرازے کو بچانے کے لیے مصلحتاً یہ سوالات شائع کرنے سے گریز کیا ہے۔کیا ان بانیوں کی شہادت کے بعد بھی اسلامی بینکاری کی کوئی شرعی حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

پاکستان میں اسلامی بینکاری:

بینکاری عیسائیوں کی نہیں یہودیوں کی ایجاد ہے اس کے تانے بانے اسلامی تاریخ میں ڈھونڈے جارہے ہیں رسول اللہ اور صحابہ کرام کو بینکار کہا جارہا ہے۔اسلامی تاریخ میں بینکاری نہیں اپنا معاشی نظام تھا یہ ہماری تاریخی پستی ہے کہ ہم اپنی تاریخ سے واقف نہیں ہیں۔

اسلامی بینک کاری کوئی نظام نہیں یہ سرمایہ دارانہ نظام کا ایک حصہ ہے اس ملک میں اسلامی بینک کاری کے بانی عشرت حسین گورنر اسٹیٹ بینک ہیں جنھوں نے قوانین منظور کیے جس سے اسلامی بینک کاری اس ملک میں جائز ہوئی اسلامی بینکاری سرمایہ دارانہ نظام کا ایک جزو ہے کلیدی زری ادارہ جس کے گرد دوسرا نظام زر مرکزی صف بندی کرے گا وہ مرکزی بینک ہے۔

جسٹس تنزیل الرحمان رپورٹ: بہترین خاکہ:

بینک کاری کو اسلامی قرار دینے والوں نے زر کی ایجاد اور زر کی تعمیر کا وہ طریقہ جو سرمایہ دارانہ نظام میں موجود ہے اسے من وعن قبول کرلیا اسلامی نظریاتی کونسل نے ۱۹۷۹ء میں جو رپورٹ دی تھی اس

میں صریحاً اسلامی بینکاری کی مخالفت کی گئی تھی جسٹس تنزیل الرحمان نے اسلامی بینک کاری کی نجی شعبہ میں قیام کی مخالفت کی اور پورے نظام زر و مالیات کو اسلامیانے کا حکم دیا کیوں کہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ مرکزی بینک کے بغیر غیر سودی بینکاری ممکن نہیں ہے اس وقت تمام بینک قومی ملکیت میں تھے کوئی بینک انفرادی کام نہیں کر رہا تھا لہٰذا جو خاکہ بنایا گیا تھا وہ ایک پورے اسلامی مالیاتی نظام کا خاکہ تھا۔جسٹس تنزیل الرحمان کی زیر نگرانی بینکاری کی تیار کردہ رپورٹ سرمایہ دارانہ نظام کا ضمنی حصہ نہ تھی بلکہ ملک کے تمام نظام زر کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر اسے سودی معیشت سے پاک کرنے کا مکمل خاکہ پیش کرتی تھی۔۲۰۰۱ء ہی میں مولانا تقی عثمانی کو شریعت اپیلیٹ سے اس لیے نکال دیا گیا کہ حکومت اس خاکے کو نافذ نہیں کرنا چاہتی تھی جو جسٹس تنزیل کی رپورٹ اور سودی نظام کے مکمل خاتمے سے متعلق شرعی عدالت کے فیصلے سے سامنے آیا تھا شریعت کورٹ نے حکم دیا تھا کہ پورا خاکہ نافذ ہو اجسٹس عثمانی کو نکالے بغیر اس حکم کو بدلا نہیں جاسکتا تھا لہٰذا عدالت سے انھیں برطرف کیا گیا پھر اس کے بعد اسلامی بینک کاری کا متبادل نظام آیا اور تقی عثمانی صاحب نے اس کی تائید فرمائی۔

مرکزی بینک: بلاسود بینکاری کے لیے ضروری:

اسلامی بینک کاری کا متبادل نظام اسلامی ریاست ہی قائم کرسکتی ہے اسلامی ریاست کے بغیر کوئی مرکزی بینک قائم نہیں ہوسکتا۔اور اس کے تسلط کے بغیر زر کو اس بنیاد پر تعمیر نہیں کیا جاسکتا جو اسلامی حکومت کو مطلوب ہو۔اسلام کا نظام زر و مالیات نظام رسولؐ اللہ سے خلافت عثمانیہ تک موجود تھا ہم نے فنانس کے بغیر ایک ہزار سال تک زر کو تعمیر کیا ہے پوری دنیا پر حکومت کی ہے اگر علما کہیں کہ اسلام کا نظام سرمایہ دارانہ نظام ہے یعنی علماء جو تاریخ کے محافظ ہیں اپنی تاریخ بھول گئے ہماری تاریخ میں سودی نظام ناممکن تھا آج علماء کہتے ہیں کہ اگر سرمایہ دارانہ نظام نہ ہوتو اور کیا نظام ہو اس تاریخ سے منہ موڑنے کی عبرت ناک مثال ہے زری نظام مالیاتی نظام ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے سود کے بغیر چلایا۔

دنیا بھر میں سود کے بغیر متبادل معاشی نظام:

اسلامی بینک کاری کے بغیر غیر سودی نظام ہندوستان میں قائم ہے ہندوستان کی جماعت اسلامی کے رہنماؤں نے اسلامی بینک کاری کے نظام کو قبول نہیں کیا اور متبادل طریقہ اختیار کیا جماعت اسلامی ہند نے ایک ارب روپے کا کاروبار اسی بنیاد پر شروع کردیا ہے دارالارقم ملیشیا نے اربوں ڈالر کا کاروبار اسلامی بینک کاری کے بغیر چلایا حزب اللہ لبنان اور حماس فلسطین کی تحریکوں نے اسلامی بینک کاری کے بغیر کاروبار مشارکت و مضاربت کے طریقے پر انجام دیا ہے۔ ہمارا نظام تمویل ایک ہزار سال تک خلافت میں نافذ رہا یہ کہنا کہ ہمارے پاس متبادل نہیں ہے صرف اور صرف سرمایہ داری و مغرب سے

مرعوبیت کا شاخسانہ ہے۔جس کا مقصد مغرب کی چاکری کرنا اور گنجائش نکالنا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ہم اسلام کے لیے کوئی راستہ نکال لیں۔

اسلامی بینکاری پر امت کا اجماع ممکن ہی نہیں:

اسلامی بینک کاری پر امت کا اجماع نہیں ہے اسلامی بینک کاری کے معاملے میں آج تک شرائط اجماع پوری نہیں کی گئی ہیں لہٰذا یہ ایک مشکوک معاملہ ہے اسلامی بینک کاری پر نہ اجماع ہے نہ ہوسکتا ہے مصر کے جید علماء نے اسلامی بینک کاری کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا ہے اسلامی بینک کاری میں ملوث ہونے والوں کو دغاباز کہا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے پاکستانی علماء سرمایہ دارانہ نظام سے قطعاً ناواقف ہیں۔اسلامی بینک کاری مصر میں مسترد شدہ نظام ہے اسے ستر کے شروع میں جمال عبدالناصر نے نافذ کیا اس کا نام ناصر سوشل بینک تھا جو آدھا جرمن اور آدھا مصری تھا۔احمد النجات اس کے ناظم تھے۔اخوان کے بہت سے لوگ اسلامی بینک کاری میں شامل ہوگئے اور فیصل اسلامک بینک قاہرہ میں بھی شامل ہوئے ۱۹۸۰ء کے بعد مصر کا بلاسودی بینکاری کا تجربہ شدید ناکام ہوگیا علماء نے اس کی شدید مخالفت کی لہٰذا لوگوں نے سرمایہ کاری ختم کردی لہٰذا ۱۹۷۰ کے آخر میں جہاں ۱۰ دس فیصد سرمایہ کاری تھا اب صرف ۳ فی صد سرمایہ کاری رہ گئی ہے علماء نے عوام کا اعتماد اس نظام پر متزلزل کردیا۔

عالم اسلام کے علماء: بلاسودی بینکاری کو حرام قرار دیا:

شیخ عبدالرحمان موسیٰ، شیخ فوادعالم، احمد عبدالکمال، سید احمد طنطاوی، مفتی اعظم مصر الازہر کے صدر نے سب سے شدید فتویٰ دیا اور اسلامی بنک کاری کو فراڈ۔ دروغ گوئی قرار دیا یہ فتویٰ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا اس کی بنیاد پر مصر کے بینک کے گورنر نے استعفیٰ دے دیا اسلامی بینک کاری ناکام ہوگئی حکومت مصر کو سرمایہ کاری کرنا پڑی۔مصر کے شیخ ابوصبو مجذوب احمد ابوالمجید وغیرہ نے بھی فتاوی دیئے اخوان المسلمین کے بیشتر لوگوں نے اسلامی بینکاری کے اداروں سے استعفیٰ دے دیا اور مصر میں اسلامی بینک کاری کے سودی تجربے کو ناکام بنادیا۔

اسلامی بینک کاری کے خلاف ملائشیا کے استاد اسدی جماعت اسلامی ہند کے علماء نے کثرت سے فتاویٰ دیے ہیں۔

مفتی تقی عثمانی: مغربی فلسفہ معیشت سے ناواقف:

مفتی عثمانی صاحب اسلامی علوم کے بحر ذخار ہیں ان کی فکر ونظر راسخ العقیدہ ہے وہ نہایت متقی پرہیزگار زاہد عابد صوفی بھی ہیں لیکن حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی کتاب جدید اسلامی معیشت میں تین بنیادی غلطیاں ہیں جو بتاتی ہیں کہ حضرت مفتی صاحب مغربی اور سوشلسٹ نظام سرمایہ ومعیشت سے قطعاً ناواقف ہیں۔مغربی فلسفہ ومعیشت سے عدم واقفیت کے باعث

[۱] حضرت مفتی صاحب نے آدم اسمتھ کے قانون رسد وطلب کو فطری قانون قرار دیا جبکہ یہ فطری قانون نہیں ہے بلکہ سرمایہ دارانہ معاشرے کی صف بندی سے نکلا ہوا جبری قانون ہے سرمایہ داری سے پہلے کسی غیر سرمایہ داری نظام میں طلب ورسد کے کسی قانون کا پتہ نہیں چل سکا لا تعداد مستشرقین نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں ہیں۔ تاریخ میں کہیں پتہ نہ چلا کہ لاء آف ڈیمانڈ وسپلائی کبھی موجود تھا۔ لیکن تقی عثمانی صاحب نے بغیر کسی سند تحقیق حوالے کے یہ تسلیم کرلیا کہ یہ فطری نظام ہے جو مغربی معیشت سے ان کی کاملاً ناواقفیت کا ثبوت ہے۔

سوویت یونین کے زوال کے بعد آئی ایم ایف نے معیشت کا جائزہ لیا اور بتایا کہ یہاں قیمتیں طلب ورسد کی بنیاد پر طے نہیں ہو رہی لہٰذا سرمایہ دارانہ معیشت کیسے نافذ کریں اداراتی صف بندی موجود ہی نہیں جس میں طلب ورسد کے قانون کا نفاذ ہو۔ سوویت یونین کا انہدام نوے کے عشرے میں ہوا دنیا کی اس نئی عظیم طاقت کے طول وارض میں طلب ورسد کا قانون کام نہیں کر رہا تھا اور پوری ریاست اپنے قواعد وضوابط کے تحت چلائی جا رہی تھی لیکن تقی عثمانی صاحب اس حقیقت سے بھی ناواقف ہیں اور اسمتھ کے قانون کو صرف روس میں ہی نہیں بلکہ اسلامی خلافت میں بھی جلوہ گر دیکھتے ہیں۔ ان کی کتاب اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو مغرب اور روس کے نظام کا بالکل علم نہیں ہے۔

[۲] اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ حصص کی قیمت کا تعلق ان اشیاء کی قیمتوں سے ہوتا ہے جو کسی کمپنی کی ملکیت میں ہوتے ہیں اگر حصص کا تعلق لاگت اشیاء کی قیمتوں سے ہے تو ایک سیکنڈ میں حصص کی قیمت پچاس گنا بڑھ جائے گی یہ کیسے ممکن ہے؟ میزان بینک کا شیئر تین گناہ بڑھ گیا کیا میزان بینک کا اثاثہ بھی حقیقتاً تین گنا بڑھ گیا حقیقت یہ ہے کہ حصص کے بازار میں قیمت سٹے کی بنیاد پر متعین کی جاتی ہے کمپنی کو وقف سے تشبیہہ دینا غلط ہے وقف کے حصص نہ بیچے جاتے ہیں نہ خریدے جاتے ہیں۔

[۳] تقی عثمانی صاحب I.M.F کو دنیا کا مرکزی بینک تصور کرتے ہیں لہٰذا وہ تعیر زر کے پورے عمل سے اپنی مکمل ناواقفیت کا اعلان کرتے ہیں انہیں اتنی سادہ بات معلوم نہیں کہ IMF مرکزی بنک نہیں ہے اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ حضرت والا نے ابھی تک غور وفکر سے سرمایہ داری کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے اور حضرت بھول گئے کہ فلکسڈ ریٹ آف ریٹرن کو جائز قرار دینے کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ شخصیت ومعاشرت قائم ہو جاتی ہے۔

[۴] مغرب کی اسلام کاری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں کچھ بھی نہیں ہے سب کچھ مغرب میں ہے اب ہمیں اسلام کو مغرب میں سمونا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے علماء مغربی تہذیب ومعیشت کے اجزا پر

نہیں کل پر فتوی لگائیں۔ اسلام کو پورا نظام سمجھیں سرمایہ داری کے اجزاء کو شرعاً جائز نہ بنائیں اس سے اسلامی تحریکوں کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا۔

سرمایہ دارانہ نظام، عالمی سرمایہ داری اور مغربی معیشت کو سمجھنے کے لیے معیشت کے مذہب کی مابعد الطبیعات کا سمجھنا ضروری ہے اس کے لیے بنیادی کتاب آدم اسمتھ کی THEORY OF MORAL SENTIMENTS ہے، جس میں سرمایہ داری کے مذہب کے عقیدے، نظریے کی علمی و اخلاقی تشریح توجیہہ و توضیح پیش کی گئی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ جدیدیت پسند مسلم معاشی مفکرین نے طلب و رسد کے نام نہاد "قدرتی قانون کے فلسفے" NATURAL LAW OF DEMAND AND SUPPLY کو بھی شریعت کے مطابق قرار دے دیا اور طلب و رسد کے تمام غیر ثقہ، غیر علمی، غیر حقیقی مغربی فلسفے جس پر سرمایہ داری کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ان مفکرین نے ان فلسفوں کو بھی جوں کا توں قبول کر لیا۔ جب کہ تاریخی اور عملی طور پر طلب و رسد کا یہ قانون غیر فطری، غیر حقیقی ہے۔ یہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے تخلیق کیا گیا۔ دنیا کی پوری تاریخ میں اس قانون کا کوئی سراغ نہیں ملتا حتی کہ روسی ریاست میں بھی آئی ایم ایف روس کے زوال کے بعد اس قانون کے عملی اثرات تلاش کرنے میں ناکام رہی اور اسے حیرت ہوئی کہ اس قانون کے بغیر روس کی معیشت کیسے چل رہی تھی؟ دوسرے لفظوں میں مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ ان مفکرین نے سرمایہ دارانہ نظام کے فلسفے، نظریے، اقدار، روایات، مابعدالطبیعات اور اساسات کو اسلامی نقطۂ نظر سے حرف بہ حرف قبول کر لیا ہے۔ عصری تاریخ کا یہ سب سے بڑا حادثہ ہے کہ بعض علماء کی جانب سے سرمایہ داری کے فروغ کے لیے اسلامی تعلیمات کو زینہ بنا دیا گیا ہے اور سرمایہ داری کے عالمی غلبے کو عقیدے مذہب دین کی سطح پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائے کہ دنیا کے کسی بینک میں نجی شعبے میں بلاسودی بینکاری ممکن ہی نہیں اور دنیا بھر میں بلاسود بینکاری کے نام پر کیے جانے والے تمام تجربات اپنی ماہیت، اصلیت، حقیقت اور حیثیت کے اعتبار سے فی الاصل سودی بینکاری کے منصوبے ہیں، جنکو خواہ مخواہ شریعت اسلامی کے نام پر مشرف بہ اسلام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ معیشت کی حقیقت سے واقف محققین اچھی طرح جانتے ہیں کہ بینکاری کے کاروبار کی بنیاد No Risk پر ہے۔ بینک محفوظ منافع کے لیے کاروبار کرتا ہے، اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں سے مقررہ شرح سود پر روپیہ وصول کر کے اسے محفوظ طریقے سے زیادہ شرح سود پر محفوظ ہاتھوں میں پہنچا دے اور حاصل شدہ سود سے ادائیگیاں کرے اور اپنے منافع میں مسلسل اضافہ کرتا رہے۔ یہی طریقہ کار اسلامی بینکوں میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اسلامی بینکوں کو چلانے والے صرف منافع کے لیے کاروبار کرتے ہیں اور بینک کے محفوظ کاروبار میں سود کے بغیر منافع کا تصور ممکن نہیں یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ اپنا مال فی سبیل اللہ وقف کر دیں اس سے

منافع حاصل نہ کریں اور اس سے بینک چلایا جائے۔ مگر ایسے اہل خیر ابھی سامنے نہیں آسکے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کی پوری تاریخ میں سود، سٹے، زر اور سرمائے کے بازاروں کا کوئی وجود نہیں تھا، اس کے لیے کہ یہ بازار جب بھی اور جہاں بھی وجود پذیر ہوں گے اور آزادانہ طور پر کام کریں گے وہاں صرف اور صرف سود کا کام ہوگا، سرمایہ داری کی بنیاد مسابقت کے خاتمے پر ہے اور مسابقت کو ختم کرنے کا ذریعہ زر اور سرمایہ کے بازار ہیں، لہٰذا سرمایہ دارانہ معیشت میں اشیاء کے بازاروں پر مصنوعی طریقے سے زر اور سرمائے کے بازاروں کو مسلط کر دیا جاتا ہے، اس کے بغیر ارتکاز دولت و سرمایہ ممکن ہی نہیں، کیوں کہ ہر چیز محدود ہے، مگر سرمایہ اور زر لامحدود ہے، کیوں کہ یہ کوئی شے نہیں محض حرص و ہوس کو عام کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس وقت سرمایہ دارانہ معیشت دنیا بھر میں OLIGOPOLY پر قائم ہے، جہاں چند ادارے، چند فرمیں، چند اشخاص سمجھوتوں کی بنیاد پر قیمتوں کا تعین کرتے ہیں اور قیمتوں کا تعین ہرگز لاگت، عادلانہ منافع اور آزادانہ مسابقت کے ذریعے نہیں کیا جاتا۔ قیمتوں کے تعین کی بنیاد صرف اور صرف یہ ہوتی ہے کہ منافع میں کس طرح زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً کراچی میں ایبٹ کمپنی Fiberad کے نام سے جو بھوسی (چوکر) فروخت کرتی ہے وہ عام بازار میں آٹھ روپے فی سیر دستیاب ہے مگر ایبٹ یہ بھوسی چھ سو اسی روپے فی کلو فروخت کرتی ہے اور سمجھوتے کے تحت کوئی اس قیمت کو کم کرنے کے لیے آواز بھی بلند نہیں کرتا۔ اس وقت امریکا میں صرف تین سو فرمیں ایسی ہیں جو وہاں پچھتر فی صد قیمتوں کو متعین کرتی ہیں۔ OLIGOPOLY کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی پوری تاریخ میں پہلی مرتبہ ۲۰۸ بلین لوگ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہو گئے ہیں، کیوں کہ عادلانہ قیمتوں کے نظام کے خاتمے کے باعث لوگوں کی قوت خرید ختم ہو کر رہ گئی ہے، جبکہ پوری انسانی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انسان بنیادی ضروریات زندگی کے لیے محتاج ہو گیا ہے۔

قبل از تاریخ کے معاشروں میں حتیٰ کہ افریقہ کے قدیم ترین قبائل میں آج بھی غربت، فقر و فاقہ کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا، لوگ بنیادی ضروریات زندگی آسانی سے حاصل کر لیتے ہیں، یہ صرف سرمایہ داری کا کمال ہے کہ اس نے بڑے بڑے آباد شہروں میں لوگوں کو خودکشی پر مجبور کر دیا ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں قیمتوں کا تعین سود، سٹے اور سرمائے کے بازاروں کے ذریعے کیا جارہا ہے۔ منی مارکیٹ، کیپٹل مارکیٹ، فنانشل مارکیٹ نے اشیاء کے بازاروں کو اپنے نرغے میں لے لیا ہے اور آزادانہ مسابقت کے تصورات، خواب و خیال کی کہانیاں بنتے جارہے ہیں۔ سرمایہ داری جو انفرادی ملکیت کے دعوے کے ساتھ چلی تھی اصلاً انفرادی ملکیت کا خاتمہ کرتی ہے اور اشخاص کے بجائے مسابقت کو ''اشخاص قانونی'' فرموں، بینکوں، اداروں کے درمیان محدود کر دیتی ہے جن کا بنیادی وظیفہ زندگی صرف اور صرف سرمائے میں مسلسل متواتر اور مستقل اضافہ ہے۔

انفرادی ملکیت کے خاتمے کے ساتھ عصر حاضر کا انسان سرمائے کا غلام ہو گیا ہے، اس بات کو جانچنے

کے لیے کہ انسان کی غلامی میں کس حد تک اضافہ ہوا ہے اور سرمایہ دارانہ نظم معیشت کی گرفت معاشرے اور عالم پر کس قدر مستحکم ہوگئی ہے اس کے لیے سٹے کا بازار کیپٹل مارکیٹ اہم ترین پیمانہ ہے۔ اس بازار کا وظیفہ ہے کہ وہ مختلف سرمایہ کاری کی حکمت عملیوں کو اس طریقے سے ناپتا رہتا ہے کہ مجموعی طور پر بین الاقوامی سطح پر منافع میں تیزی سے اضافہ ہوتا رہے۔ کیپٹل مارکیٹ کے اہم مراکز امریکہ، لندن، فرینکفرٹ، ٹوکیو کے اسٹاک ایکسچنج ہیں جہاں حصص مستقل خریدے اور بیچے جاتے ہیں۔ ظن، تخمین اور اندازوں پر داؤ لگائے جاتے ہیں۔ یہ خرید و فروخت اس یقین کی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جو حصص خریدے جا رہے ہیں ان کی قیمتیں یقیناً بڑھنے والی ہیں اور جو حصص بیچے جا رہے ہیں ان کی قیمت گر رہی ہیں، سٹے کے بازار یا شیئر کے بازار میں تمام سرمایہ کاری رزق حلال کے لیے نہیں بلکہ بے پناہ منافع کے لیے ہوتی ہے کیوں کہ حصص یافتگان کی اصل دلچسپی ڈیوڈنڈ سے نہیں ہوتی بلکہ حصص کی بڑھتی چڑھتی قیمتوں سے ہوتی ہے۔ ڈیوڈنڈ پر ملنے والا منافع برائے نام ہوتا ہے۔ فارسی کی اصطلاح میں بات کیجیے تو ”بہ قدر اشک بلبل“۔ یہ منافع بھی سال کے آخر میں ملتا ہے۔ حصص پر اصل آمدنی روزانہ ہوتی ہے جب یہ غیر اسلامی طور پر سٹے کے ذریعے فروخت کیے جاتے ہیں، صبح جس حصص کی قیمت پچاس روپے ہوتی ہے شام تک دو سو پچاس روپے، دوسرے دن چار سو روپے اور تیسرے دن ستر روپے ہو جاتی ہے۔ کیا کمپنی کے کاروباری حجم میں دو تین روز کے اندر اس قدر زبردست اضافہ وسعت اور منافع ممکن ہے جس کے باعث حصص کی قیمتیں اتنی تیزی سے چڑھ رہی تھیں۔ اگر فی الواقع ایسا ہو رہا تھا تو اچانک تیسرے دن حصص کی قیمتیں کم کیسے ہوگئیں؟ کیا کمپنی بند ہوگئی اصلاً ایسا نہیں ہوتا۔ گزشتہ دنوں اسٹاک مارکیٹ میں شرفاء کے تین کھرب روپے ڈوب گئے جنھوں نے حصص کو اسلامی کاروبار سمجھ کر اس میں پیسہ لگایا تھا۔

شیئرز کی قیمتوں کا تعین کمپنی کے اصل اثاثوں کی بنیاد پر نہیں ہوتا یہ محض ظن، تخمین اندازوں اور کمپنی کی قوت وطاقت کے بل پر ہوتا ہے، لہٰذا حصص کے بازار کی بنیاد صرف اور صرف حرص وہوس، نفع اندوزی اور سرمائے کی بڑھوتری کے عقیدے پر ایمان کے سوا کچھ نہیں ہے، لہٰذا حصص کا موجودہ کاروبار اور موجودہ بازار شریعت کی نظر میں حرام ہے، انھیں اسلامی جواز مہیا کرنا اس بات کی علامت ہے کہ جواز دینے والے معاشی عمل، سرمایہ داری کے فلسفے اور معیشت کے نظام سے قطعاً ناواقف ہیں اور انہیں ان بازاروں کی حقیقت معیشت اور ماہیت کا کوئی علم نہیں ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کو تباہ کرنا ہمارے دین و ایمان کا مسئلہ ہے، مگر ہمارے بعض علماء اور بعض دینی مدارس جن کی تعداد میں آٹے نمک سے بھی کم ہے۔ اس نظام کو مسترد کرنے کے بجائے اس کو جواز فراہم کرنے کے لیے کوشاں ہیں اس دور کا فتنہ مال ہے اور سرمایہ داری کا مذہب بھی مال کو جمع کرنا ہے۔ عبادت معاملات، تعلقات اور روابط میں خلل اندازی کی بنیادی وجہ مال سے بے پناہ محبت ہے اور سود، سٹے، بینکنگ، حصص کے

ذریعے انسان کی حرص وہوس وحسد میں اضافہ سرمایہ داری کا بنیادی وظیفہ ہے۔اگر ہم مال کے فتنے سے یا سرمایہ دارانہ معیشت سے نبرد آزما ہونا چاہتے ہیں تو حرص وحسد کے نظام سے بغاوت کے بغیر ہم کوئی بنیادی تغیر برپا نہیں کرسکتے غلبہ دین کی کوئی حکمت عملی اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی مخالفت نہ ہولوگوں کی زندگی میں معاشرتی سطح پر روحانی تبدیلی لائے بغیر سرمایہ داری کو بے دخل نہیں کیا جاسکتا اس وقت سرمایہ داری کے غلبے کی صورت حال یہ ہے کہ بڑے بڑے دین دار لوگ بھی اشیاء پر منہ مانگا منافع وصول کرتے ہیں اور اسے حلال سمجھتے ہیں یہ حرص وحسد کے غلبے کی بدترین صورت حال ہے عادلانہ منافع نہ لینا دراصل اسلام سے نکل کر سرمایہ داری کے نظام کا حصہ بن جانے کا عمل ہے۔جو اس عمل میں شریک ہے وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ ہرفرد کے دو پیمانے ہوتے ہیں قرآن کے الفاظ میں ''لیتے وقت تمہارا پیمانہ کچھ اور ہوتا ہے اور دیتے وقت کچھ اور'' اس کی مثال یہ ہے کہ ایک کاروباری آدمی کوئی چیز خریدتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ بیچنے والے سے کم سے کم قیمت پر خریدے اور اسے عادلانہ نفع سے بھی محروم کردے مگر جب یہی چیز صارفین کو بیچتا ہے تو اس کی کوشش اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس شے پر جو اس نے نہایت سستی حاصل کی مہنگی سے مہنگی بیچ کر زیادہ سے زیادہ منافع کمائے۔قرآن وسنت کی روشنی میں ایک مسلمان کا یہ طریقہ کار اسوہ رسولؐ اور آیات قرآن کی سنگین خلاف ورزی ہے۔''قرآن وسنت مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتے ہیں مومن کی تعریف یہ ہے کہ ''جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہ اپنے بھائی کے لیے پسند کرے''۔اس بنیادی صفت کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں کہلاسکتا ہمارے معاشروں کے کاروباری،تجارتی اور صنعتی لوگ اس نقطۂ نظر کو ذہن میں رکھیں تو ان پر سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقت خود واضح ہوجائے گی۔

اگر ہم سرمایہ دارانہ نظام سے چھٹکارا چاہتے ہیں تو ہمیں نجی بنکاری نظام سے حصص سرمائے اور سٹے کے بازار سے چھٹکارا پانا ہوگا سودی کاروبار کے بغیر دنیا کا کوئی بینک نجی شعبے میں نہیں چل سکتا جب تک سرمائے اور زر کا بازار نجی سطح پر ختم نہ کردیا جائے سودی نظام کا خاتمہ ناممکن ہے جس طرح امن عامہ حکومت کی ذمہ داری ہے اسی طرح زر کے بازار اور ترسیل زر کی ذمہ داری حکومت کی ہے زر کے بازار کو حکومت ختم کرسکتی ہے زر کے نظام کو اس طرح مرتب کیا جائے جس طرح ریاست امن عامہ کے نظام کو مرتب کرتی ہے بینکوں کو حکومت کے دفاتر میں تبدیل کردیا جائے تو سودی بینکاری کا خاتمہ ممکن ہے اس کے بغیر نجی شعبے میں غیر سودی بینکاری کسی طور پر ممکن نہیں اس کی ہر شکل بالآخر سودی نظام میں تبدیل ہوکر رہے گی سرمایہ دارانہ اور سودی بندوبست کو محض ''کتاب الحیل'' کے ذریعے غیر سودی اور غیر سرمایہ دارانہ ثابت کرنے کا دوسرا مطلب یہی ہے کہ ہمارے بعض دینی زعماء نے مغرب کے فکر وفلسفے سے گہری واقفیت کے بغیر اور معیشت پر گہری نظر کے بغیر سودی بندوبست کو قبول کرلیا ہے یہ اقدام

نہایت خطرناک ہے جس سے امت مسلمہ کا پورا تشخص خطرے میں پڑ جائے گا اس لیے آج عالمی مالیاتی استعماری اداروں کی سرپرستی میں ''غیر سودی بینکاری'' کو فروغ دیا جارہا ہے اور عالمی مالیاتی ادارے مختلف اسلامی ماہرین اور علماء کو اپنے یہاں تقرریوں کے پروانے عطا کررہے ہیں اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کو اصل خطرہ صرف اور صرف امت مسلمہ سے ہے یہ خطرہ فی الحال حرکی نہیں مخفی ہے مگر وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ امت مسلمہ جب کبھی حرکت پذیر ہوگئی تو اس کا سودی نظام تباہ ہوجائے گا لہٰذا وہ امت مسلمہ کے چودہ سوسالہ متفقہ عقیدے میں حیلہ سازیوں کے ذریعے سودی نظام، نظام بینکاری، زرسود اور سرمائے کے بازاروں اور سرمایہ دارانہ نظام کی خباثتوں کی اسلامی توجیہات تلاش کرنے میں کوشاں ہیں کیوں کہ جب اس امت میں اقداری اور روایتی سطح پر سود اور سرمائے اور زر کے خلاف قوت مزاحمت شریعت کے نام پر ختم کردی جائے گی تو سرمایہ داری حرص و ہوس کو عالمگیر غلبہ حاصل کرنے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ درپیش نہیں ہوگی صرف اسلام ایک ایسا دین ہے جو بازار، ریاست، حکومت، سرمایہ، زر کو روحانی اور اقداری و روایتی پابندیوں کا خوگر بناتا ہے جس سے سودی نظام کی جڑ کٹتی ہے اور سیکولرازم کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام بازار، ریاست سیاست حکومت سرمائے اور زر سے دین کو اہل دین کو علماء کو بے دخل کرکے انہیں حجروں میں مقیم کرنا چاہتا ہے۔ غیر سودی بینکاری کا منصوبہ عالمی بینک کا منصوبہ ہے جس کے ذریعے بلاسود بینکاری کے نام پر دنیا میں اس وقت تمام بینک سودی بینکاری کررہے ہیں۔ یہ تجربہ سب سے پہلے جمال عبدالناصر نے مصر میں شروع کیا۔ اخوان المسلمین کے بے شمار لوگ اخلاص کے باعث اس نظام میں شریک ہوئے، لیکن جلد ہی ان پر حقیقت کھل گئی کہ اسلام کے نام پر سود کی کراہت ختم کرنے کا یہ عالمی بینک کا منصوبہ ہے لہٰذا وہ لوگ اس سے الگ ہوگئے بعد میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر چھاپرا، ڈاکٹر ضیاء الدین، ڈاکٹر فہیم خان، ڈاکٹر احسان رشید اور ڈاکٹر ارشد زمان نے اسلامی بینکاری کے منصوبوں کے کل پرزوں کی حیثیت سے کام کیا۔ اپنے اخلاص کے باوجود مغربی فکر و فلسفے سے واقف نہ تھے لہٰذا انھوں نے معیشت کو مغربی فکر کے تناظر میں ایک کل کی حیثیت سے دیکھنے کے بجائے ایک جزو کے طور پر دیکھا اور اسلامی قالب عطا فرمایا، بعد میں بہت سے جید علماء نے اس عمل کی غیر اسلامی بنیادوں کو واضح کیا۔ ورلڈ بینک، اسلامی بینکنگ کی حمایت اس لیے کررہا ہے کہ وہ کروڑوں مسلمان جو سود کی وجہ سے بینکوں میں پیسے نہیں رکھتے ان کا سرمایہ زیر گردش آجائے اور ہر فرد کو سود کی لعنت میں بہ اکراہ نہیں بہ رضا و رغبت مبتلا کیا جائے اس مقصد کے لیے عام لوگوں کو تعیّشات زندگی کے لیے سستے قرضے دے کر سود کی کراہت ان کے دل سے ختم کی جارہی ہے اور مسرفانہ معاشرے کی بنیادیں اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرکے وسیع کی جارہی ہیں؟ عالمی بینک کے اس منصوبے کا سب سے بڑا فائدہ مغربی استعماری طاقتوں کو یہ پہنچا کہ ہر فرد کے سرمایے کا حساب کتاب بھی عالمی استعماروں کی زیر نگرانی آگیا تاکہ ان خفیہ ہاتھوں کو تلاش کیا جاسکے جو عالمی اسلامی بیداری کی مختلف سطحوں، لہروں کی مختلف طریقوں سے مالی امداد کررہے ہیں۔ لہٰذا دنیا میں

مسلمان جہاں بھی بڑی رقم بینک سے نکالتے ہیں اور کسی کاروبار میں نہیں لگاتے تو فوراً پوچھ گچھ شروع ہوجاتی ہے کہ رقم کس کو دی گئی؟ اس وقت سب سے زیادہ بینکاری کی صنعت میں منافع اور شرح افزائش میں اضافہ، نام نہاد سودی بینکاری کے کاروبار میں ہے۔ بلاسود بینکاری کے ذریعے سود کو عالمی بینک نے حلال ٹھہرا کر مسلمانوں کو سودی کاروبار کے ساتھ تعیّشات اور اپنی آمدنی سے زیادہ اخراجات کے سودی طلسمی دھندے میں مبتلا کر دیا ہے۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ انتہائی دین دار لوگ غلط اجتہاد کے باعث سود پر گاڑیاں خرید رہے ہیں اور سود کی کراہت تیزی سے ختم ہورہی ہے۔ ہر چیز معیار زندگی بلند کرنے کے لیے حلال ٹھہرائی جارہی ہے۔

سرمایہ داری کا المیہ یہ ہے کہ اس کی تاریخ شکست وریخت رسوائی اور پسپائی کی تاریخ ہے سود، سرمائے اور زر کے بازاروں میں اسے مسلسل خسارے اور ناکامی کا سامنا ہے اور ہر خسارے اور ناکامی کو سنبھالنے کے لیے ریاست اس کی مدد کو آجاتی ہے پاکستان سے لے کر امریکا، جاپان، یورپ، جرمنی تک جب بھی اسٹاک مارکیٹ ختم ہونے لگتی ہے تو ریاست مارکیٹ کے اعتبار کو بحال کرنے کے لیے اس کے حصص کی خریداری کرتی ہے اور ریاستی سرمایہ کاری کے ذریعے اسٹاک مارکیٹ کو اپنے پیروں پر کھڑا کیا جاتا ہے اگر سرمایہ زر ہی سب کچھ ہے اور وہ خود اپنی قیمت وقدر کا تعین کرتا ہے تو پھر ریاست اس کی سرپرستی کے لیے میدان میں کیوں اتر آتی ہے پھر آزاد منڈی کا فلسفہ کہاں رہ جاتا ہے دنیا بھر میں سود سٹے زر کا نظام صرف اور صرف ریاست کی سرپرستی میں ممکن ہے اگر آج ریاست سودی نظام اور سرمایہ دارانہ بندوبست کی حفاظت سے ہاتھ اٹھالے تو یہ سود، سٹے، زر کے بازار لمحوں میں منہدم ہوجائیں۔ چند ماہ قبل جب اسٹاک مارکیٹ بیٹھ گئی رزق حلال کی آرزو میں سرمایہ کاری کرنے والوں کے تین کھرب روپے ڈوب گئے تو ڈوبنے والوں کو کوئی بچانے نہیں آیا۔ حکومت کی جانب سے منصوعی تیزی کو روکنے کی کوشش نہیں کی گئی لیکن جب اسٹاک مارکیٹ بیٹھ گئی تو فوراً سرکاری مداخلت ہوئی اور سرکاری اداروں نے اپنا سرمایہ اسے اٹھانے کے لیے لگایا جس کے نتیجے میں لوگوں کی بچتوں پر مشتمل NIT وغیرہ جیسے اداروں سے لے کر حصص خریداری کی گئی یعنی اصل مقصد سرمایہ داری کا تحفظ ہے اور اس تحفظ کے لیے پیسہ عام آدمی کا استعمال کیا جارہا ہے۔ اگر اسٹاک مارکیٹ آزادانہ طور پر بیٹھ گئی تو خود اپنے پیروں پر کھڑی ہوسکتی تھی۔ اسٹاک ایکسچینج کے بیٹھنے سے معیشت میں کیا تغیر برپا ہوگیا؟ دو تین سو سال پہلے جب اسٹاک ایکسچینج نہیں تھے لوگ تب بھی کارخانے لگاتے تھے، کاروبار کرتے تھے، اسٹاک ایکسچینج کو فطری ادارہ سمجھنا دراصل اسلامی تاریخ اور مغربی فکر سے ناواقفیت کا شاخسانہ ہے۔ پاکستان میں اسٹیٹ بینک فروغ سرمایہ داری کے لیے کام کرتا ہے اسٹیٹ بینک مانیٹری پالیسی (زری حکمت عملی) کا محافظ ہے اس حکمت عملی کے مقاصد قیمتوں کا استحکام اور رفتار نمو میں اضافہ ہے زری پالیسی سرمایہ دارانہ نظام کو محفوظ ومضبوط کرنے کا آلہ ہے سرمایہ داری کو سب سے اہم خطرہ یہ ہے کہ اگر قیمتوں میں مسلسل اضافہ یا مسلسل کمی ہو تو لوگ اپنے وعدوں کا ایفاء نہ کرسکیں گے زر کے بازاروں میں صرف اسٹیٹ بینک اور صرف

کمرشل بینکوں کے مابین معاملات طے نہیں پاتے بلکہ کمرشل بینک روزانہ کاروبار بند ہونے سے قبل قواعد کے تحت ۳۰ فی صد محفوظ زر کی سطح کو برقرار رکھنے کے پابند ہوتے ہیں اس قاعدے پر عمل درآمد کے لیے کمرشل بینک ایک دوسرے سے روزانہ قرضے لیتے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بینکوں کے مابین قرضوں کا مستقل نیلام ہوتا رہتا ہے قرضوں کے نیلام کی ایک شکل ٹریژری بل ہیں جو اسٹیٹ بینک جاری کرتا ہے اور بینک ایک دوسرے سے یہ بل مختلف شروح منافع پر خریدتے اور بیچتے رہتے ہیں سرمایہ دارانہ نظام میں ادائیگیوں کو واجبات کے مطابق کرنے کے لیے قیمتوں کا مستحکم رہنا بہت ضروری ہے یہ سرمایہ داری کا تقاضا ہے توازن ادائیگی کو برقرار رکھنے کا دوسرا نام مانیٹری پالیسی ہے جو واجبات اور مطالبات کے مابین توازن برقرار رکھتی ہے تاکہ سودی بینکاری بحران کا شکار نہ ہو جس کا خطرہ ہمہ وقت موجود رہتا ہے اسٹیٹ بینک دراصل تجارتی بینکوں کو مستقل رسد اور مدد فراہم کرتا ہے یہ وعدے صرف اور صرف بینکوں کے منافع میں اضافے کے لیے ہوتے ہیں لہٰذا اسٹیٹ بینک کا اصل وظیفہ یہ ہے کہ تجارتی بینک اپنے منافع میں مستقل اضافہ کرتے رہیں لہٰذا ہمارا مرکزی بینک دراصل تجارتی بینکوں کا خادم اور غلام بن جاتا ہے اس کی خدمت کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ تجارتی بینک اور سود وسٹے کا کاروبار بحران کا شکار نہ ہو مستقل منافع میں رہے لہٰذا اسٹیٹ بینک اور زری پالیسی سے یہ توقع رکھنا کہ وہ سودی نظام ختم کردیں گے ایک احمقانہ توقع ہے کیوں کہ موجودہ نظام میں اسٹیٹ بینک، ریاست اور حکومت کا ٹریژری بلز اور زری پالیسی کا بنیادی کام ہی یہی ہے کہ سودی کاروبار کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جائے اسے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنایا جائے اس لیے اہل دین کا مطالبہ صرف اور صرف یہ ہونا چاہیے کہ بینکاری کا نظام ختم کردیا جائے کیوں کہ بینکاری کا نظام خلق کی فلاح و بہبود کے لیے نہیں بلکہ منافع در منافع کمانے کے لیے ہے اس لیے ہمیں یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ حکومت بینک چلائے، بینک منافع کمانے کا ذریعہ نہیں ہیں زر کا کاروبار ناجائز اور حرام ہے۔ سود، سٹہ اور سرمائے کے بازار جنھیں کیپٹل اور فنانشل مارکیٹ کہا جاتا ہے یہ سب حرام ہیں اور سود کو فروغ دیتے ہیں لہٰذا انھیں ختم کردیا جائے کسی اسلامی بینک، نجی بینک، غیر سودی بینک کا کوئی تصور نجی شعبے میں عملاً اور علماً ممکن ہی نہیں ہے ہر اسلامی بینک دراصل سودی نظام کا تابع مہمل ہے یہ بینک سرمایہ دارانہ نظام میں کسی قسم کی دراڑ نہیں ڈال سکتا اس کے برعکس بعض مسلم مصلحین یہ کہتے ہیں کہ اسلامی بینک بناؤ دوسرے لفظوں میں سرمایہ داری کو اسلام کا قالب عطا کردو دنیا کا کوئی بینک بھاری رقومات بطور قرضہ نہیں دیتا کیوں کہ اسے خطرہ ہوتا ہے کہ سرمایہ ڈوب نہ جائے لہٰذا وہ منی مارکیٹ اور کیپٹل مارکیٹ کو خلط ملط کرکے اسٹرکچرل فنانس کرتے ہیں جس سے سود اور سٹے کا بازار ملحقہ ہے قرضوں کی اصل رقم معلوم کرنا اس نظام میں ممکن ہی نہیں ہے کیوں کہ تمام قرضے اسٹرکچرل فنانس کے ذریعے دیے جاتے ہیں لہٰذا ہر وہ کاروبار سرمایہ، زر صرف اور صرف سودی ہے جو منی مارکیٹ اور کیپٹل مارکیٹ سے تعلق رکھتا ہے اس میں اسلام کی پیوندکاری حماقت ہے۔

Tarikh-e-Alam Correction

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ زر کا بازار اور سرمائے کا بازار ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے ہیں حصص کے بازار کے نام پر ہمارے مصلحین سود سٹے کے عجیب وغریب اسلامی جواز ڈھونڈ رہے ہیں مثلاً مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر حصص لینے والا کمپنی کے سالانہ اجلاس عام میں ہاتھ اٹھا کر سودی کاروبار کے خلاف آواز ضرور اٹھائے اگرچہ اس کی آواز مسترد ہو جائے اور میرے نزدیک آواز اٹھانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ کمپنی کی جو سالانہ میٹنگ ہوتی ہے اس میں یہ آواز اٹھائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے سودی لین دین پر راضی نہیں اس لیے اس کو بند کیا جائے ایسی صورت میں وہ انسان اپنی ذمہ داری پوری کر دیتا ہے۔'' اس رائے میں پوری نیک نیتی کے ساتھ سرمایہ دارمعیشت اور سودی نظام و بندوبست کو جس طرح اسلامی جواز عطا کیا گیا ہے وہ ایک خطرناک صورت حال ہے اس مشورے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت والا کو حصص کے بازاروں کے کام کرنے کے طریقے سے مکمل واقفیت بھی نہیں ہے مثلاً وہ اس بات سے لاعلم ہیں کہ شیئرز Physcaly آتے ہی نہیں ہیں سرمایہ داری کے نتیجے میں طبعی قبضہ ''فزیکل پزیشن'' ختم ہو جاتا ہے Actual Transaction ہوتا ہی نہیں ہے حصص میں ساری سرمایہ کاری حاضر سودوں اور غائب سودوں اور ظن تخمین اندازوں وسوسوں، آرزؤں، خواہشات اور تمناؤں کے بل پر ہوتی ہے ایکویٹی مارکیٹ یا اثاثوں کے بازار میں کوئی شے ذاتی ملکیت نہیں رہتی سب سرمائے کی ملکیت بن جاتی ہے اصل مالک سرمایہ ہوتا ہے کمپنی بازار میں حصص فروخت کے لیے پیش کر کے بازار سے روپیہ حاصل کرتی ہے اس پر انھیں سود دیتی ہے ایک قیمت حصص کی شائع شدہ ہوتی ہے یہ Nominal Price کہلاتی ہے مگر جب وہ قیمت فروخت ہوتی ہے تو وہ بہت زیادہ ہوتی ہے اثاثوں کے بازار میں ایک اصل قیمت ہوتی ہے دوسری بازار کی قیمت جو اصل سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اس نئی قیمت کا کمپنی کی املاک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا حصص کی قیمت کا تعین کمپنی کی املاک، اثاثے اور کاروبار نہیں کرتے بلکہ لوگوں کی توقعات کرتی ہیں کہ کمپنی کیا منافع کما سکے گی اس لیے شیئر کا کام صرف سٹے اور تخمینے کا کام ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت وحقیقت بھی نہیں شیل کمپنی کا شیئر خریدنے والا کمپنی کی ملکیت خریدنے یا اس میں حصہ دار کی حیثیت سے شریک ہونے کے لیے شیئر نہیں خریدتا بلکہ وہ اس شیئر پر زیادہ سے زیادہ نفع کمانا چاہتا ہے شیئر خریدنے والا نہ کمپنی کے صدر کو جانتا ہے نہ اس کے دفاتر کا اسے علم ہوتا ہے نہ وہ اس کے اثاثے اور املاک سے واقف ہوتا ہے اور نہ وہ صرف ڈیوڈنڈ کے لیے شیئرز خریدتا ہے وہ شیئر اس لیے خریدتا ہے کہ خریدے گئے شیئر کے دام چندروز میں یقیناً اوپر چلے جائیں گے اور اسے بھاری منافع حاصل ہو جائے گا شیئرز کی قیمتیں محض اندازوں پر بڑھتی گھٹتی ہیں کمپنیوں کے حصص کی مالیت کا تعین کمپنی کے اثاثے واملاک نہیں کرتے بلکہ بازار میں اس کے اعتبار کے باعث متعین ہوتے ہیں لوگ بازار حصص میں معمولی منافع کمانے کے لیے نہیں بلکہ Capital Gain کے لیے آتے ہیں۔ شیئرز

کے کاروبار میں ڈیوڈنڈ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ Capital Gain سٹے کے بغیر ممکن نہیں کوئی آدمی حصص خرید کر روک نہیں لیتا روزانہ بازار میں لاکھوں حصص خریدے اور بیچے جاتے ہیں ہر روز اربوں روپے کے سودے کا تعلق کمپنی کے اصل اثاثوں املاک سے ممکن ہی نہیں اس کا تعلق Physical Price سے نہیں بلکہ صرف سٹے بازی اور سود خوری سے ہے لہٰذا یہ سوال کہ کمپنی حرام کاروبار کر رہی ہے یا حلال کاروبار ایک احمقانہ سوال ہے۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ حصص کا کاروبار نہ بیع ہے نہ شراکت نہ عقد صحیح شرعی، مبیع متعین و معلوم نہیں اسی بنیاد پر مفتی کفایت اللہ نے حصص کے کاروبار کو ممنوع قرار دیا تھا[کفایت المفتی ص ۱۲۳ جلد ۸] اسلام میں بھگوڑے غلام کی فروخت ممنوع ہے۔ حصص کی مثال اسی بھگوڑے غلام جیسی ہے لیکن مفتی تقی عثمانی صاحب نے ان کمزوریوں کے باوجود حصص کے کاروبار کو حلال قرار دیا۔ حصص میں کمپنی کو شخص قانونی کا درجہ دیا جاتا ہے اور کمپنی کے تحلیل ہوجانے کو اس شخص کی قانونی موت کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا شخص ہے جس کا کوئی وجود نہیں جس کی زندگی بھی جعلی ہے اور موت بھی جعلی۔ اس شخص کو ایک حقیقی شخص پر قیاس کرنا محض حسن ظن ہے حسن علم نہیں۔ اسی بنیاد پر خیر المدارس کے مفتی عبدالستار صاحب نے مفتی تقی عثمانی کی تاویلات کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا تھا کہ مفتی صاحب کی ہر تاویل سمجھ سے باہر ہے۔ عالم اسلام کے مشہور عالم شیخ محمد صدیق الضریر نے حصص کے کاروبار کو محض تخمین اور قیاس آرائیوں پر مبنی قرار دیا ہے اس لیے یہ کاروبار حرام کے درجے میں آجاتا ہے۔ جامعہ حمادیہ کے شیخ الحدیث مفتی حبیب اللہ نے اپنے کتابچے الرد الفقہی میں اسلامی بینکاری اور حصص کے کاروبار کا اسلامی بنیادوں پر عمدہ رد کیا ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے حکومت کو بینکوں سے زکوٰۃ لینے کا فتویٰ صادر کیا۔ لیکن اہل فتاویٰ اور علماء نے اس کی تردید کی اور فتویٰ دیا کہ اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ مفتی عبدالسلام رئیس دارالافتاء نبوری ٹاؤن نے اپنی کتاب ''جواہر الفتاویٰ'' جلد تین میں اس مسئلے پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

۲۴ رجب ۱۴۱۵ھ مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۹۴ء کو حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی دعوت پر پاکستان کے تمام مفتیان کرام کا مذاکرہ دارالعلوم کراچی میں منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے بینکوں کے سود کو چھ تاویلات کے ذریعے جائز قرار دینے کے سلسلے میں اپنا موقف شرح وبسط سے پیش فرمایا، لیکن پاکستان کے تمام مفتیان صاحب نے ان کی تاویلات سے اتفاق نہیں کیا۔ مفتی عبدالستار رئیس دارالافتاء خیر المدارس ملتان نے شدید محاسبہ کیا اور یہ مجلس حضرت تقی عثمانی صاحب کی تاویلات سے متفق ہوئے بغیر شام کو برخواست ہوگئی مفتی تقی عثمانی صاحب نے این آئی ٹی یونٹ اور شاہ فیصل بینک کے کاروبار کو جائز قرار دیا لیکن اس کاروبار میں شرکت کرنے والوں کو شدید نقصانات ہوئے۔ این آئی ٹی یونٹ کی زیادہ تر سرمایہ کاری حصص کے کاروبار میں ہوتی ہے اور یہ سرمایہ کاری دباؤ پر اس وقت لازماً کی جاتی ہے جب

اسٹاک مارکیٹ شدید مندی میں ہو، اسے اٹھانے کے لیے ایماندار لوگوں کا سرمایہ جو این آئی ٹی یونٹ میں لگا ہوا ہے حکومت سٹے کے کاروبار میں لگاتی ہے جس کے باعث این آئی ٹی یونٹ میں سرمایہ کاری کرنے والے سفید پوش لوگوں کو شدید مالی نقصانات ہوئے۔ فتاویٰ دینے والے سرمایہ دارانہ نظام کی پیچیدگیوں، بھول بھلیوں، نزاکتوں سے ناواقف ہیں ورنہ وہ الائنس موٹرز، این آئی ٹی یونٹ حصص کے کاروبار کو حلال قرار دینے کے فتاویٰ ہرگز نہ دیتے۔ مفتی تقی امینی صاحب کے علاوہ ہندوستان اور عالم عرب کے جید علماء نے حصص کے کاروبار کو غیر اسلامی اور اسلامی بینک کاری کو سودی نظام قرار دیا ہے۔ اس تمام بحث سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ بلاسود بینکاری اور حصص کے کاروبار کو حلال تسلیم کرنا، اسے شرعی قرار دینا مشکوک معاملہ ہے۔ عالم عرب کے بیشتر، ہندوستان اور پاکستان کے بہت سے علماء بلاسود بینکاری کو سودی بینکاری سمجھتے ہیں اور حصص کے کاروبار کو صریحاً حرام قرار دیتے ہیں لیکن حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب واضح طور پر بلاسود بینکاری کو اور حصص کے کاروبار کو عین شرعی ثابت کرتے ہیں لہٰذا ان مسائل پر علماء امت کا اجماع نہیں ہے لہٰذا مشکوک چیز پر عمل ایمان کے خلاف رویہ ہے۔ اس میں شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔ سود اور سٹے کا اشتباہ پیدا ہو گیا ہے تو اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ ان منصوبوں سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔ حرام کا مقدمہ بھی حرام ہے اور ارشاد رسالت مآبؐ ہے کہ ''چراگاہ کے اردگرد گھومنے والا جانور بالآخر چراگاہ کے اندر داخل ہو جائے گا''۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب تصویر کی حرمت کے بھی قائل نہیں رہے۔ عالم اسلام کے علماء کا ایک اجلاس چند سال پہلے کراچی میں حضرت تقی عثمانی صاحب کی دعوت پر منعقد ہوا۔ اجلاس میں تصویر کو جائز قرار دینے کے لیے ایک فتویٰ پیش کیا گیا۔ اس فتوے پر مفتی مینگل صاحب نے انتہائی اہم نوعیت کے سوالات اٹھائے۔ مولانا حبیب اللہ، مفتی نظام شامزئی، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، مہتمم فاروقیہ وصدر نشین وفاق المدارس عربیہ پاکستان نے بھی انتہائی اہم مباحث قرآن وسنت کی روشنی میں شرکاء مجلس کے سامنے پیش کیے۔ جن کے جوابات حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نہیں دے سکے۔ لہٰذا علماء عرب نے اس فتوے پر دستخط سے انکار کر دیا کہ جب تک ان سوالات کے تسلی بخش جوابات نہ دیے جائیں عثمانی صاحب کے موقف کی تائید نہیں کی جاسکتی لہٰذا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ جامعہ فاروقیہ کے قریبی ذرائع نے بتایا ہے کہ دارالعلوم کراچی اور حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے ابھی تک ان سوالات، اعتراضات اور شبہات کا جواب نہیں دیا۔ الائنس موٹر، حکومت کی جانب سے زکوٰۃ کی کٹوتی، حصص، بلاسود بینکاری، تصویر کی حرمت کے حوالے سے تقی عثمانی کے اجتہادات پاکستانی علماء کی نظر میں اس قدر متنازعہ ہیں تو ان پر از سر نو غور وفکر اور اجتہاد کی ضرورت میں شدید اضافہ ہو گیا ہے۔

سرسید، غلام احمد پرویز، وحید الدین خان جیسے جدیدیت پسندوں کے اجتہادات کی کوئی اہمیت

نہیں لیکن جب اجتہادات مقتدر مذہبی حلقوں کی جانب سے ہوں گے تو انھیں دینی سند حاصل ہوگی۔ لہٰذا دینی مقتدر حلقوں کا فریضہ ہے کہ وہ اجتہاد سے پہلے مغرب کے فکر و فلسفے اس کی سائنس، نیچرل سائنس، سوشل سائنس، اس کی تاریخ، سرمایہ داری کی تاریخ، بہیمیت کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کر کے اسلامی تناظر میں کلی بنیادوں پر فتویٰ صادر کریں ورنہ وہ مغرب سے عدم واقفیت کی بنیاد پر اسلام کی کڑیاں بکھیر دیں گے۔ امام احمد بن حنبل ایک دفعہ کسی جگہ سے گزر رہے تھے راستے میں کیچڑ تھا۔ انھوں نے ایک شخص کو متنبہ کیا کہ سنبھل کر چلو کیچڑ سے پھسل جاؤ گے۔ اس نے جواباً کہا حضرت آپ سنبھل کر چلیے اگر میں پھسلا تو صرف میں گروں گا لیکن اگر آپ پھسل گئے تو پوری امت پھسل جائیگی۔ لہٰذا علماء کو اجتہادی امور میں نہایت درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ علماء کو اس معاملے میں گہری بصیرت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ عجلت اور محنت کے بغیر اجتہادات دین کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ مغرب کی خواہش ہے کہ کسی طرح علماء سے کسی بھی اجماع کے خلاف فتویٰ لے لیا جائے تا کہ اسلامی علمیات میں شگاف ڈالا جاسکے۔ تصویر پر علماء کے متفقہ فیصلے کی کوشش دراصل اجماع کی حرمت کو ختم کرنے کی دانستہ حکمتِ عملی ہے۔

اندلس: اسلامی سائنسی ریاست کا ماڈل

اسلامی جدیدیت کے حمایتی اندلس کو ایک مثالی ریاست کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ جہاں سے بیکن علم حاصل کر کے آیا اور یورپ میں انقلاب آگیا لیکن یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ اندلس کی حیثیت اسلامی تاریخ میں کیا ہے؟ کیا اندلس کو کوئی روحانی مقام حاصل ہوا؟ کیا اندلس کی ترقی یورپ کے اسلام قبول کرنے میں معاون ثابت ہوئی؟ کیا سائنس وٹیکنالوجی سے متاثر ہونے والے یورپ نے اندلس کی اسلامیت وروحانیت سے کوئی اثر قبول کیا؟ یہ درست ہے کہ اندلس نے یورپ کو تاریکی جہالت اور کیچڑ سے نکال کر مادیت پرستی کے راستے پر لگایا جس راستے پر اندلس نے انھیں لگایا اس راستے پر وہ تیزی سے چلے جارہے ہیں اندلس والے جس راستے پر چلے ان کا انجام کیا ہوا؟

اندلس کی ریاست یورپ کو مسلمان نہ کرسکی خود مسلمان نہ رہ سکی کیوں؟

اندلس میں آج کتنے مسلمان باقی ہیں؟ آخر کیوں؟ اگر سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی اندلس کی ریاست کا تحفظ نہ کرسکی اور اندلس کو مسلمان نہ رکھ سکی اور یورپ کو مسلمان نہ کرسکی تو اس کی دینی حیثیت اہمیت کیا ہے؟ قصرۃ الزہرہ وغیرہ اور دوسری عمارتیں دور زوال کے آخری عمارتیں ہیں، اندلس کی مادہ پرستی کا ردعمل ابن حزمؒ اندلسی کی المحلّٰی ہے، ابن حزمؒ ایک شہزادے تھے انھوں نے اسلامی ریاست اور اسلامی خلفاء اسلامی معاشرے کی مادہ پرستی دنیا پرستی دیکھی تو دوسری انتہا پر چلے گئے۔ اسی مادہ پرستی کا ایک اور ردعمل شیخ اکبرؒ ابن عربی جیسے فلسفی اور صوفی کا اندلس میں ظہور ہے۔ ابن عربیؒ بھی اندلس کے آخری زمانے میں پیدا ہوئے، ان کا مقام اسلامی تاریخ

Tarikh-e-Alam Correction

میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس مقام کی تردید تائید اور تنقید سے قطع نظر اندلس کے زوال کو ابن عربی کا تصوف ابن حزم اندلسی کا تفقہ فی الدین اور اندلسی معاشرے میں سرمایہ دارانہ ذہنیت پر ان کا شدید ردعمل، ارسطو کے شارح ابن رشد کی فلسفیانہ اسلامی موشگافیاں اور اندلس کے سائنس دانوں کی سائنسی ایجادات اور معماروں کی عظیم الشان تعمیرات بھی نہیں بچاسکیں کیونکہ زوال کا اصل سبب یہ تھا کہ اندلس کے اسلامی حکمرانوں کا معاشرے میں روحانی اثر ونفوذ برائے نام تھا لہٰذا عیسائی اور یہودی آبادی اسلام کے دائرہ میں داخل نہ ہوئی اور مسلمان اقلیت میں رہے پھر یہ اقلیت اپنے اندرونی اختلافات اور تضادات کا شکار ہوئی تو زوال کی کمر پر آخری تنکا بھی رکھ دیا گیا۔ اندلس میں عقلیت اور جدیدیت کا نفوذ کس طرح ہوا اور کس حد تک ہوا اور روحانیت کا زوال کہاں تک پہنچا اس کی ایک مثال اسلامی اندلس کے مہدی اور موحدین کی حکومت کے بانی محمد ابن تومرت بربر کا وہ حکم ہے جس کے مطابق اذان، عبادات، دعا، ترجمہ وتلاوت قرآن کے لیے عربی زبان کے بجائے بربری زبان کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ علامہ اقبال نے اسے اجتہاد قرار دیا ہے اور اس کی زبردست تائید بھی کی ہے۔ مسعود کھدر پوش نے پنجاب میں اردو میں نماز پڑھانے کی مضحکہ خیز کوشش اقبال کے تتبع میں کی تھی جو تر کی کی طرح ناکام ہوگئی۔ عقلیت جہاں بھی آتی ہے وہاں اسی قسم کی جہالت، اجتہاد اور علم کے نام پر نمایاں ہوجاتی ہے۔ یونان کا زوال بھی عقلیت کے عروج کے باعث ہوا دور زوال میں عقلیت کو ہی علم اور حقیقت تک رسائی کا واحد ذریعہ قرار دیا گیا تھا۔ اس اعتبار سے مغرب بھی زوال کے آخری دور میں داخل ہو چکا ہے اس کا مادی عروج عقلیت کا نکتہ عروج ہے جو ماضی میں عاد ثمود، سباء، تبع، فراعنہ مصر، موہنجوداڑو، یونان، روما، ایران کی تہذیبوں کو حاصل ہو چکا لیکن انجام رسوائی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ مغرب کا زوال بالکل قریب ہے لیکن زوال مکمل ہونے میں کچھ وقت بھی لگتا ہے لیکن یہ تہذیب کھوکھلی ہو چکی ہے اس کے پاس اپنے جواز کی کوئی دلیل نہیں رہی، اس لیے اب عسکری یلغار پر اس کے وجود کا انحصار ہے۔

انبیاء کا مقابلہ: سائنس اور ٹیکنالوجی سے

قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام جہاں جہاں گئے ان کے مدمقابل عالیشان تہذیب تمدن سائنس وٹیکنالوجی موجود تھے، دنیاوی شان وشوکت کے اعتبار سے انبیاء کے مدمقابل ہمیشہ مادی طور پر عظیم الشان رہے، قوم فرعون، عاد، ثمود، تبع، سباء کی تاریخ قرآن میں موجود ہے لیکن کیا انبیاء نے اس کے مقابل اس سے بہتر یا اس کے برابر کوئی عظیم الشان تہذیب وتمدن تعمیر کیا۔ انبیاء کا کام حاضر وموجود مادیت پرست تمدن تہذیب کی علمیات کو تہس نہس کرنا ہوتا ہے، اس سے بہتر اور اس کے مقابل تعمیر کرنا نہیں ہوتا۔ تہس نہس کردہ تہذیب وتمدن کے آثار انبیاء کرام محفوظ رکھتے ہیں تاکہ عبرت کے مرقعے قیامت تک انسان کی بے ثباتی سرکشی، بغاوت اور اس کے مقابلے میں خالق کائنات کی شان وشوکت کا احساس دلاتے رہیں۔ فرعون کو ماننے والا ایک فرد بھی دنیا میں موجود نہیں لیکن فرعون کی تعمیر کردہ عظیم الشان عمارات، مقبرے، قلعے، باغات، عظیم سائنس و

ٹیکنالوجی اور فرعون کی لاش آج تک محفوظ ہے لیکن اس مذہب، تہذیب وتمدن پر ایمان رکھنے والا اسے یاد کرنے والا اس کی یاد میں آنسو بہانے والا ایک فرد بھی دنیا میں موجود نہیں اس کے مقابل حضرت موسیٰؑ اور انبیاء بنی اسرائیل جنھوں نے اس تہذیب تمدن کو تہس نہس کیا ان کی کوئی عمارت، آثار تاریخ اور قرآن میں محفوظ نہیں لیکن ان انبیاء کے اربوں پیروکار دنیا میں موجود ہیں اور تمام الہامی مذاہب حضرت موسیٰؑ کی عظمت و بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ انبیاء معاشرے کو دنیا پرستی سے خدا پرستی کی طرف لے جاتے اور انسان کی توجہ کا مرکز دنیا سے آخرت کی طرف موڑ دیتے ہیں۔

انبیاء: تسخیر کائنات یا تسخیر قلوب انسانی

مسلمانوں کے زوال پر گفتگو میں بار باران کے سائنسی اور جدید علوم وٹیکنالوجی سے محرومی کو زوال کا اصل سبب قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن جب انبیاء اور ان کے پیروکار پرانی تہذیبوں سے نبرد آزما ہوئے تو وہ کون سے پڑھے لکھے تھے ان کے پیروکار فلسفی سائنس داں تھے یا ان پڑھ تھے قرآن نے بعض انبیاء کے پیروکاروں کے بارے میں ان کے مخالفین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تمہاری پیروی تو ''اراذل'' نے اختیار کی ہے اور خود تم مادی طور پر ہمارے مقابلے میں کچھ نہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس وقت کے جدید علوم تو انبیاء کے مدمقابل کے پاس تھے لیکن انھوں نے سب پر فتح پائی، یہ اعتراف کہ ہم تسخیر کائنات میں پیچھے رہ گئے احمقانہ اعتراف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم تسخیر قلوب انسانی میں پیچھے رہ گئے جو انبیاء کی دعوت کا اصل مقصد ہے جس کی بنیاد محبت کا بے پناہ جذبہ ہے۔ انبیاء تسخیر کائنات کے لیے نہیں تسخیر قلوب انسانی کے لیے آتے ہیں۔ یہ کام صرف اور صرف محبت سے ہوتا ہے، عدل انصاف مساوات سے نہیں محبت سے کیونکہ تمام نیکیوں کا سرچشمہ اللہ سے محبت ہے۔ یہ محبت جتنی مستحکم ہوگی عروج بھی اسی قدر مستحکم ہوگا، انبیاء اللہ سے محبت کا یہ چراغ ہر دل میں روشن کرتے ہیں۔ اللہ سے محبت کرنے والے انبیاء اس محبت کو اپنی امتوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر دل کو یاد الٰہی کا آستانہ بنا دیتے ہیں وہ صرف اللہ سے نہیں اس کی مخلوق سے بھی محبت کرتے ہیں اور مخلوق سے محبت انہیں اس دردمندی سے آشنا کرتی ہے جس کے ذریعے مخلوق کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں ان کی بے قراری اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مداخلت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ فرماتے ہیں

☆ اے نبیؐ شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔ [الشعراء آیت ۳]

☆ اچھا تو اے نبیؐ شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو۔ اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔ [الکہف آیت ۶]

محبت کا یہ معاملہ اپنے مخاطب کفار و مشرکین سے صرف انبیاء کا نہیں ہوتا بلکہ ان کے پیروکاروں کا بھی یہی رویہ ہوتا ہے اسی لیے قرآن نے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت

نہیں رکھتے۔ [آل عمران آیت ۱۱۹]

☆ نوحؑ تمہاری قوم سے جو لوگ ایمان لا چکے اب کوئی ماننے والا نہیں ان کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑ دو۔ [ھود آیت ۳۶]

انبیاء یہ بھی بتاتے ہیں کہ جانوروں کو کس طرح ذبح کیا جائے۔

قرآن بتاتا ہے کہ صحابہ کرام مشرکین اور منافقین سے بھی محبت کرتے تھے تا کہ انھیں دائرہ اسلام میں داخل کر دیں۔ تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ [۱۲۹، آل عمران] یہ محبت انبیاء اور ان کے امتی اپنی امتوں سے کرتے ہیں اور اس محبت کا چراغ ہر دل میں روشن کرتے ہیں۔ یہ محبت ہی دلوں کے دروازے کھولتی اور انقلاب کے برگ و بار پیدا کرتی ہے۔ انبیاء اور ان کے پیروکاروں کا یہ معاملہ صرف انسانوں سے نہیں ہوتا تمام مخلوق سے محبت کا یہی عالم ہوتا ہے۔ امتیوں کو یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ جانوروں کو کس طرح ذبح کیا جائے۔ انھیں پانی پلایا جائے، تیز چھری استعمال کی جائے تا کہ انھیں اذیت نہ ہو، انھیں خوف زدہ نہ کیا جائے، زندہ جانور کے سامنے اس کے ساتھی کو ذبح نہ کیا جائے، الگ رکھا جائے جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

انبیاء انسان تیار کرتے ہیں، مشینیں نہیں:

انبیاء کتابیں نہیں لکھتے وہ انسان تصنیف کرتے ہیں وہ انسان تیار کرتے ہیں، ایسے انسان جو بڑی بڑی کتابوں، بڑے بڑے فلسفوں اور بڑے بڑے سائنس دانوں پر بھاری ہوں کیوں کہ انسان تیار کرنا سب سے مشکل کام ہے سائنس و ٹیکنالوجی اپنی جدید شکل میں بھی کوئی انسان تیار کرنے سے قاصر ہے۔ انبیاء لوگوں کے دلوں کی دنیا بدلتے ہیں، سائنس و ٹیکنالوجی آسائش دے سکتی ہے وہ نہ ذہن انسانی کو پڑھ سکتی ہے، نہ دلوں کو بدل سکتی ہے، دلوں کو بدلنے کا طریقہ صرف اور صرف انبیاء اور ان کے صالح امتیوں کے پاس ہوتا ہے۔ انبیاء انسانوں کے قلوب تسخیر کرتے ان کے ذہن تبدیل کرتے اور ان کے طرز زندگی اور طرز معاشرت کو بدل ڈالتے ہیں۔ وہ امتوں کے موضوعات گفتگو تک بدل دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے سونے اور جاگنے کے اوقات بھی بدل دیتے ہیں۔ دنیا کو تبدیل کرنا زمین و آسمان کو بدل ڈالنا آسان ہے۔ لیکن کسی انسان کو تبدیل کرنا محال ہے یہ کام انبیاء اور ان کے امتی کرتے ہیں۔

انسان کو درست کر دو: دنیا خود بخود درست ہو جائے گی

ایک بزرگ مطالعے میں مصروف تھے ان کا نواسہ بار بار انھیں تنگ کرتا، انھوں نے ایک اخبار چاک کیا اور اس کے ٹکڑے بچے کے حوالے کر دیے۔ اخبار میں دنیا کا نقشہ بنا ہوا تھا، انھوں نے بچے سے کہا کہ یہ نقشہ جوڑ کر لے آؤ، بزرگ کا خیال تھا کہ نقشہ جوڑنے میں بہت وقت لگے گا لیکن حیرت انگیز طور پر بچہ چند لمحوں میں دنیا کا نقشہ جوڑ کر لے آیا۔ بزرگ حیرت زدہ رہ گئے اور استعجاب کے عالم میں سوال کیا بیٹے تم نے دنیا کا نقشہ کیسے درست کر دیا۔ بچے نے جواب دیا اس نقشے کی پشت پر ایک انسان کی تصویر تھی میں نے اس انسان کی تصویر کو صحیح

طریقے سے جوڑ دیا دنیا کا نقشہ خود بہ خود درست ہو گیا۔ انبیاء دنیا کا نقشہ درست کرنے کے لیے دنیا کو درست نہیں کرتے وہ سائنس وٹیکنالوجی ایجاد نہیں کرتے، وہ انسان کو درست کرتے ہیں۔ انسان کا نقشہ درست ہو جائے تو دنیا خود درست ہو جاتی ہے۔ ہمیں سائنس وٹیکنالوجی کی نہیں درست انسان کی ضرورت ہے۔

بدترین عذات: فکر صحیح سے محرومی

افسوس یہ ہے کہ ہم اس فکر سے محروم ہو گئے ہیں۔ قوموں پر عذاب آفات کی صورت میں ہی نہیں آتا لیکن عذاب کی بدترین شکل فکر صحیح سے محرومی ہے یہ صحیح فکر قرآن سے اور انبیاء کی دعوت سے ملتی ہے۔ اس فکر اور کام کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کے دلوں میں ان کی دعوت کے لیے راستہ پیدا فرماتے ہیں۔

☆ عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔ [مریم آیت ۹۶] یہ نہیں کہا کہ سائنس و ٹیکنالوجی پیدا کر دے گا۔ یہ عروج کا راستہ ہے کہ دشمن کے دل آپ کی محبت میں دھڑکنے لگیں لیکن یہ دل اس وقت دھڑکنا بند ہو جاتے ہیں جب پیغمبر کے امتی حرص وحسد میں مبتلا ہو کر طالب دنیا بن جاتے ہیں۔ طلب دنیا کی دو علامات قرآن نے بتائیں جو زوال کا اصل سبب ہیں۔

پھر ان کے بعد وہ ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی۔ [مریم آیت ۵۹] بنی اسرائیل کا زوال یہی تھا ان کے یہاں نماز کا اجتماعی نظام ختم ہو گیا تھا لہٰذا اللہ نے حضرت موسیٰ کو ہدایت دی کہ کمرے لے کر نماز کا نظام قائم کرو۔]

عروج کا عظیم تصور: حجرہ نبویؐ

☆ امتوں کو عروج سائنس وٹیکنالوجی سے نہیں ملتا اس لذت کردار سے ملتا ہے جس کی لذت دشمن بھی محسوس کرتا ہے اور دشمنی ترک کر کے محبت اختیار کر لیتا ہے اس لیے حضرت ابراہیم نے وادیٔ مکہ کو آباد کرتے ہوئے اپنے ورثاء کے لیے اللہ سے دعا کی تھی کہ ''اے میرے رب لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا دے'' [سورہ ابراہیم، آیت ۳۷ تا ۴۰] اگر امتیں شان وشوکت کی حامل ہوں اور صرف ان کی ہیبت قائم ہو لیکن دلوں میں ان کے لیے محبت نہ ہو تو یہ سلطنتیں مغلیہ سلطنت کی طرح تاریخ کے گرد وغبار میں گم ہو جاتی ہیں۔ عیش وعشرت کی ثقافت جس نے بھی اختیار کی اس کا انجام بہت برا ہوا، خواہ وہ دنیا دار لوگ تھے یا دین کے علمبردار اسی لیے رسول اللہ نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا کام میں تو ایک مسافر کی طرح ہوں جو کچھ دیر کے لیے یہاں ٹھہر گیا ہے۔ فرمایا کہ میں ایک دن بھوکا رہوں، ایک دن کھاؤں تا کہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہوں یہ اس ہستی کا طرز زندگی تھا جسے کون ومکاں میں فضیلت دی گئی اور رحمت اللعالمین کا خطاب دیا گیا۔ رحمت اللعالمین نے اپنے لیے ''الفخر فقری'' کا خطاب پسند فرمایا۔ آپ نے فقر، سادگی، سادہ طرز زندگی اور عیش وعشرت سے گریز کو اپنے مسلسل

طرزِ عمل سے ثابت کیا۔ آپ نے ساری زندگی ایک ایسے حجرے میں بسر کی جس میں وصال مبارک کے بعد صرف تین قبریں سما سکیں۔ مختصر حجرہ مبارک کی سنت پر رسول اللہ نے متواتر عمل کر کے دکھایا۔ یہ ایسی سنت تھی جس پر رسول اللہ زندگی بھر عامل رہے اور مستقبل کے حکمرانوں اور امت مسلمہ کے لیے ایک عجیب مثال قائم فرمائی۔

ایسا کوئی سلطان زمانے میں دکھا دو
مٹی کا دیا جس کے شبستاں میں جلا ہو

عالم اسلام: کس قسم کا عیش درکار ہے

لوگ کہتے ہیں کہ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ بابر عیش کی زندگی بسر کرلو کہ دنیا دوبارہ نہیں ملے گی لیکن بابر کا عیش کیا تھا؟ بابر جب فرغانہ سے چلا تو وہ سانڈ کی ننگی پیٹھ پر سوار تھا، بے سروسامانی ہی اس کا سروسامان تھی وہ زمین کو روندتا، پہاڑوں کو پھاندتا، دریاؤں کو چیرتا، ویرانوں کو پامال کرتا، صحراؤں سے گزرتا، بادلوں پر تھوکتا آسمان پر نظر ڈالتا، افق کے اس پار دیکھتا ہوا چار دن اور چار رات تک چلتا رہا جب تھک کر چور ہوگیا تو ایک وادی میں لمحے بھر کو ستانے کے لیے ٹھہرا، اس نے سواری کو لگام دی، زمین پر اترا، سجدہ شکر ادا کیا، اپنی فرغل سے چند دانے لیے، زمین سے گھاس پھوس کے تنکے اٹھائے، انھیں نہایت خوشی کے ساتھ منہ میں رکھا، جب یہ خوراک حلق سے اتر گئی تو اس نے چھاگل کھولی، پانی کے چند گھونٹوں نے اس کے حلق کو تر کیا تو مستی سرشاری اور خوشی کے تصور سے وہ بے تاب ہوگیا۔ اس نے جرأت رندانہ اور ہمت مردانہ کے ساتھ نعرہ لگایا:

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

یہ تھا بابر کا عیش امتیں جب امتیں اس عیش کو اختیار کرتی ہیں تو دنیا ان کے قدموں میں ہوتی ہے اور آخرت ان کا انتظار کرتی ہے، وہ میدان جنگ میں اس طرح جاتے ہیں جیسے کوئی دلہا حجلۂ عروسی میں داخل ہوتا ہے۔

زوال: عیش وعشرت کا اسلامی جواز:

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں
وہ ایک قطرۂ خوں جو رگ گلو میں ہے

لیکن امتیں جب عیش وعشرت کے اسلامی جواز تلاش کرتی ہیں تو وہ تاریخ کے صحراء میں اس طرح گم ہوجاتی ہیں جس طرح کسی بیوہ کا آنسو تنہائی میں شبِ فراق کے تصور سے پلکوں سے گر کر زمین میں تحلیل ہوجاتا ہے۔ جدید سائنس و ٹیکنالوجی کا مقصد صرف عیش وعشرت کی فراوانی کے ذریعے

Tarikh-e-Alam Correction

مادیت کو روحانیت پر غالب کرنا ہے اس لیے جدید سائنس اسلامی تہذیب کی اصل حریف اور دشمن ہے اس کو غیر جانبدار سمجھنا، اسے اسلامی تہذیب و تاریخ کا گمشدہ قافلہ قرار دینا اور اس کے حصول پر امت کی نجات، عروج اور شان و شوکت کو منحصر رکھنا جدیدیت پسندی ہے، اصل عروج یہ ہے کہ فرد اس پیغام پر دل کی گہرائیوں سے قائم ہو جائے جو حق ہے، ''الحق'' ہے، الکتاب ہے آخری پیغام ہے اور وہ اسلام ہے۔

اصل شان و شوکت کیا ہے؟

اصل شان و شوکت ایمان، ایقان اور عمل صالح سے پیدا ہوتی، یہ شان و شوکت دنیا میں بھی عروج کا سبب بنتی ہے اور آخرت میں کامیابی صرف اسی کے لیے مختص ہے اسی شان و شوکت کے باعث دنیا قدموں میں ہوتی ہے اور وقت کے پیغمبر یوسفؑ کو قید و بند کی سختیوں کے بعد اقتدار طشتری میں رکھ کر پیش کر دیا جاتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے کردار کی عظمت ثابت کر دی تھی اور اسلامی زندگی پر قید خانے کو ترجیح دی تھی اور الزام لگانے والی عورتوں کو حضرت یوسفؑ کی عظمت اور بے گناہی کا اعتراف کرنا پڑا، کردار کی یہ عظمت کہ بدترین دشمن بھی کردار کی شہادت دے، انبیاء پیدا کرتے ہیں یہ عظمت لاؤ لشکر اور انتخابات کے بغیر بھی تمکن فی الارض کا سبب بن جاتی ہے یہ نہ ہو تو مادی شان و شوکت کا انجام اندلس کے انجام سے بدتر ہوگا۔

رسالت مآبؐ کا حجرہ: اتنا سادہ کیوں تھا؟ سائنس ٹیکنالوجی کا شاہکار کیوں نہ تھا

رسالت مآبؐ کا حجرہ مبارک ایک طرف رکھا جائے دوسری جانب عاد، ثمود، قوم سباء، قوم فرعون موہنجوڈرو، چین کے محلات عالیشان تہذیب و تمدن پر نظر کی جائے تو یہ تہذیب و تمدن اور ان کے آثار رسول اللہؐ کی آمد کے وقت بھی محفوظ تھے یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کو عاد و ثمود جیسی عمارات تعمیر کرنے کا ہنر کیوں نہ دیا، مسجد نبوی پتوں، اور کھجور کے تنوں سے تیار کی گئی۔ ایران و روم کی سلطنتوں کو فتح کرنے والے مسلمانوں کے پاس قرآن کے سوا کوئی کتاب نہ تھی، نہ کتب خانے تھے، نہ سائنس تھی، نہ ٹیکنالوجی نہ صنعتیں تھیں نہ مدرسے نہ کالج نہ یونیورسٹی لیکن اس عہد کی دونوں عظیم طاقتیں ان کے چھوٹے چھوٹے تیروں اور ناقابل بیان تلواروں سے زیر ہو گئیں۔ اصل طاقت کردار کی طاقت ہے جس سے روحانیت پیدا ہوتی ہے۔ اگر سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے بغیر ترقی کا کوئی تصور موجود نہیں ہے تو پھر رسالت مآبؐ سے لے کر انیسویں صدی میں خلافت عثمانیہ کے زوال تک ہماری تاریخ زوال کی تاریخ ہے کیونکہ اس عہد میں ہم فراعنہ مصر اور یونان کی تہذیب جیسی عمارتیں نہ بنا سکے۔ خلافت اسلامیہ اور مدینۃ النبیؐ میں انیسویں صدی تک نکاسی آب و گند کا نظام موجود نہ تھا جب کہ یہ نظام رسول اللہؐ کی آمد سے ڈھائی ہزار سال پہلے کی تہذیب موہنجوڈرو میں موجود تھا۔ اس اعتبار سے

مسلمان تو ناکام ترین تہذیب وتمدن کے وارث ٹھہرے، قرآن نے ہر قوم کی عظمت، جلالت، افادیت، تعمیرات، شان وشوکت کے مرقعے محفوظ کیے ہیں لیکن انبیاء کرام کی عمارات وتعمیرات کے مرقعے محفوظ نہ رکھے۔ ایک آدھ استثناء کے سوا اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ ظاہر ہے کہ انبیاء اور ان کی امتیں حاضر وموجود اور غالب تہذیب وتمدن کو تہس نہس کرنے آتی ہیں اور خوف خدا پر مبنی ایک نئی تہذیب اور ایک نئے معاشرے کی تعمیر کرتی ہیں۔

دل کا بدلنا: کائنات کا ہر رنگ بدل جاتا ہے:

عمارتیں تعمیر کرنا آسان کام ہے انسان تعمیر کرنا مشکل ہے انبیاء انسان تعمیر کرتے ہیں قلب بدلتے ہیں، اصل تہذیب وتمدن کی ترقی وہ ہے جہاں فکر آخرت، خدا کا خوف اور خشیت الٰہی سامان زندگی بن جائے وہ دوسری تہذیبوں وتمدنوں کی نہ پیروی کرتے ہیں نہ نقل نہ انھیں اسلامی قالب میں ڈھالتے ہیں نہ ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں، وہ اپنا جہاں آپ پیدا کرتے ہیں کیوں کہ دوسروں کی نقل کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے میں تو سراسر خسارہ ہی خسارہ ہے انبیاء اس خسارے سے بچانے کے لیے آتے ہیں نہ کہ لوگوں کو اس خسارے میں مبتلا کرنے کے لیے۔ انبیاء معاشرے کے موضوعات، دلچسپیوں، روایتوں، طور طریقوں، رسومات، گفتگو، اسالیب بیان سب کچھ بدل کر رکھ دیتے ہیں، عقل کا مقام دل ہے لہٰذا انبیاء دل کو بدل دیتے ہیں، فواد بدل جاتا ہے تو کائنات کا ہر رنگ اور ہر زاویہ بدل جاتا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر یہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے، شاعر نے اس حدیث کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

اعضائے بدن سب لرزاں ہیں ، اک دل کے شہادت پانے سے
لشکر میں تلاطم برپا ہے، سردار کے بارے میں جانے سے

دل کی موت: امتوں کا زوال

اگر دل، فواد، قلب مر جائے تو تہذیبیں، امتیں فنا ہو جاتی ہیں اس لیے قرآن بتاتا ہے کہ ''اک شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے''، جس شخص کے سینے میں دو دل جمع ہو جائیں اس شخص اور اس ملت اور امت کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ علمیات، مابعد الطبیعیات، تقسیم علوم کسی قوم یا فرد کے دل کی مانند ہوتی ہے۔ اگر یہ ایک ہو تو امت کامیاب ہو جاتی ہے، اگر کسی قوم کے قلب میں دو علمیات سما جائیں تو یہ قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ عالم اسلام کا حال یہی ہے وہ مغرب اور اسلام کے دو دلوں کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ دل بدل جانے سے انسان بدل جاتا ہے جب انسان بدلتا ہے تو کائنات اور اس کا نظم ونسق بھی بدل جاتا ہے۔ انبیاء کی زندگی اور ان کی مثالوں سے کائنات کی تبدیلی تو بہت بڑی مثال ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ: موضوعات زندگی بدل گئے

صرف حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی مثال لیجیے ان کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں لوگ جب آپس میں ملتے تھے تو تعمیر اور عمارتوں پر گفتگو کرتے تھے، سلیمان بن عبدالملک کو عورتوں اور نکاح سے دلچسپی تھی لہٰذا اس کے زمانے میں اس کا چرچا تھا لوگوں کا موضوع گفتگو لونڈیاں اور شادیاں تھیں لیکن جب عمرؒ بن عبدالعزیز نے تخت خلافت پر قدم رکھا تو مذہب، عبادت اور اس کی تفصیلات موضوع بن گئیں۔ جہاں چار آدمی جمع ہوتے تو ایک دوسرے سے پوچھتے کہ رات کو کون سے اوراد و ظائف پڑھے تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہے؟ تم قرآن کب ختم کرو گے؟ مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو؟ قلب تبدیل ہونے سے فرد تبدیل ہونے سے معاشرے میں کسی قدر تبدیلی آتی ہے اس کے برعکس مغربی فکر و فلسفے کے فروغ کے بعد زندگی کے مقاصد بھی تبدیل ہو گئے ہیں، ہلاکت خیز ہتھیار بنانا اسے بیچ کر دولت کمانا، جانوروں کی طرح ہمہ وقت جنسی عمل میں مشغول رہنا اور جانوروں کی طرح کھانا اور کھانے کے لیے نت نئی غذائیں پیدا کرنا صنعتی مغربی معاشروں کا ہدف ہے، دنیا کی تاریخ میں اسلحہ اور کھانے اور جنسی ادویہ کی اتنی اقسام کبھی تیار نہیں ہوئیں ان تینوں اقسام میں ترقی بہ ظاہر بے ضرر محسوس ہوتی ہے لیکن اس ترقی نے چینی، امریکی، یورپی قوموں کے طرز زندگی، صحت، طرز فکر اسلوب زندگی، فکر و نظر کے پیمانوں پر کیا اثر ڈالا اس تبدیلی کے تین مظاہر درج ذیل ہیں:

تاکل الانعام: ترقی کا مطلب صرف کھانا اور ہر وقت کھانا نہیں:۔

قرآن کریم نے زندگی کی لذتوں اور کھانے پینے کی عادتوں کے حوالے سے بھی کفار و مشرکین اور مومنین میں فرق بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کفار جانوروں کی طرح کھاتے رہتے ہیں **تاکل الانعام** کھانا پینا اور ہر وقت کھاتے پیتے رہنا مغربی تہذیب کے عروج اور سائنس و ٹیکنالوجی کے فروغ کے نتیجے میں ایک طرز زندگی بن گیا ہے صنعتوں کا پہیہ رواں دواں رکھنے کے لیے مختلف مصنوعات کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی نت نئی چیزیں ایجاد کی جاتی ہیں ان کو فروخت کرنے کے لیے خوشنما مصنوعات تیار کی جاتی ہیں تاکہ صارفین کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اس کے نتیجے میں ایسی ثقافت پیدا ہو گئی ہے کہ تہذیب جدید کا ہر فرد ہمہ وقت کھانے میں مصروف نظر آتا ہے صبح ہوتے ہی ناشتے میں انڈا، مکھن، پنیر، جام جیلی، ڈبل روٹی، چائے کچھ وقفے کے بعد بسکٹ، پیٹیس، سموسے چائے، پھر منہ میں سپاری کی تھیلی پھر چیونگم، پھر چاکلیٹ، پھر پیزا، پھر کافی، چپس، برگر، فرنچ فرائز، دنیا بھر کی اشیاء جو ہمارے منہ کو مشین کے پہیے کی طرح ہر وقت رواں دواں رکھتی ہیں تہذیب جدید کا انسان اپنے اخلاق و کردار کے ساتھ ساتھ اپنی صحت کی قبر اپنے دانتوں سے خود کھود رہا ہے ضرورت سے زیادہ چیزیں استعمال کرنے کا انجام سامنے ہے نت نئی بیماریاں جنم لے رہی ہیں لہٰذا ان بیماریوں کے لیے طبی سائنس ایجادات کا کمال دکھا رہی ہے۔ ہر بیماری کے جواب میں ڈاکٹر پرہیز بتاتے ہیں، جدید انسان پرہیز سے پرہیز کرنا چاہتا ہے کیونکہ جدیدیت نے اس کی خواہش نفس کو الٰہ بنا دیا

ہے، تمام ماہرین طب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تمام جدید بیماریوں کا اصل سبب جدید طرز زندگی ہے۔ یہ جدید طرز زندگی مغربی فکر و فلسفے کے باعث ہر ایک کو فطری اور حقیقی محسوس ہوتا ہے۔ عہد رسالت میں ایک حکیم نے مدینۃ النبیؐ میں کچھ عرصہ قیام کیا لیکن اس عرصے میں کوئی شخص بیمار نہیں ہوا، اسے حیرت ہوئی اور وہ بستی چھوڑ کر چلا گیا کہ یہاں کوئی بیمار ہی نہیں ہوتا۔ ارشاد رسالت مآبؐ تھا کہ ایک چوتھائی بھوک باقی ہو تو ہاتھ کھینچ لیا جائے کم خوراک صحت کا راز ہے۔ روزے کے دنوں میں اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے بھوکے پیاسے رہنے والے اپنے آپ کو تر و تازہ صحت مند محسوس کرتے ہیں بھوک سے کوئی نہیں مرتا لیکن بہت زیادہ کھانے سے اموات میں شدت سے اضافہ ہو رہا ہے اور بیماریوں کا طوفان دنیا کو گھیرے میں لے چکا ہے۔ زیادہ کھانے والے ان غریبوں کا حصہ کھا لیتے ہیں جنھیں ان کے رزق کثیر سے کچھ حصہ مل سکتا تھا۔

جدید بیماری: دائمی قبض

طبی تاریخ میں کسی قوم کو کبھی قبض ایک بیماری کے طور پر لاحق نہیں ہوا لیکن مغربی تہذیب و ترقی اور سائنس و ٹیکنالوجی کے نتیجے میں جو اشیاء صارف استعمال کر رہے ہیں اور جو ثقافت پیدا ہوئی ہے اس نے قبض کی بیماری کو عام کر دیا ہے دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اس طرح قبض میں مبتلا نہیں ہوئی صرف قبض سے متعلق ادویات کا کاروبار اربوں کھربوں روپے سے تجاوز کر چکا ہے اس کاروبار سے منافع کی حالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جائے کہ آٹے کی بھوسی جو بازار میں دس روپے کلو ملتی ہے قبض دور کرنے کی دوا کے نام پر ایبٹ کمپنی اسے چھ سو اسی روپے فی سیر فروخت کرتی ہے۔ امراض قلب اور قسم قسم کے امراض مذہبی تہذیبوں نے پیدا ہی نہیں کیے تو اس کے علاج کیوں دریافت کرتے لہٰذا یہ کہنا کہ ماضی میں طبی سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید طبی سائنس کی ترقی غیر فطری، غیر حقیقی ہے ماضی میں انسان فطری طرزِ زندگی گزار رہا تھا لہٰذا اس میدان میں اتنی ہی ترقی ہوئی جتنی ضرورت تھی۔ یہ عجیب تہذیب و تمدن ہے کہ خود بیماریاں پیدا کرتا ہے پھر ان کا علاج دریافت کرتا ہے پھر اپنے علم و حکمت کی برتری کا اعلان کرتا ہے اور اس اعلان پر پوری دنیا ایمان لے آتی ہے۔

چین: لوگوں کا وزن بڑھ رہا ہے

ٹیکنالوجی کے انقلاب کے نتیجے میں کھانے کی غیر فطری اشیاء کی مقبولیت اور فاسٹ فوڈ کے ذریعے زہریلی غذاؤں کو زندگی کا لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ زہریلی غذائیں جسم انسانی میں چربی کی شکل میں محفوظ ہوتی رہتی ہیں اور پھر دل دھڑکنا چھوڑ دیتا ہے، دل کی جراحت [آپریشن] پر لاکھوں روپے خرچ کر کے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کے بعد مریض کو غذا میں فطری طرز زندگی کے مطابق اشیاء استعمال کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے مثلاً بھوسی کی روٹی، سبزی، دالیں سادہ غذا یہی فطرت ہے اور جناب رسالت

مآب گا دسترخوان بھی اسی سادہ غذا کی خبر دیتا ہے۔ یورپی معاشروں نے غیر فطری طرز زندگی اختیار کرنے میں تین سو برس کا عرصہ لیا لیکن اب غیر فطری طرز زندگی بسر کرنا ایک فطری طریقہ سمجھا جارہا ہے۔ اس کی تازہ مثال چین ہے صرف بیس سال کے عرصے میں مغربی تہذیب کی تجلیات کے نتیجے میں چینی معاشرے کی اخلاقیات، آداب، رسوم ورواج، تہذیب وتمدن حتیٰ کہ صحت بیماریاں کھانے پینے کے اسلوب بدل چکے ہیں تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق [چینی اخبار انفارمیشن ٹائمز کے مطابق] اگلے دس برسوں میں چین کے ۲۰۰ ملین لوگوں کا وزن خطرناک حد تک بڑھ جائے گا وزن میں اس غیر فطری غیر حقیقی اضافے کا سبب وہ غذا، خوراک اور طرز زندگی ہے جو مغرب سے مستعار لیا گیا ہے آمدنی میں اضافے آلو کھانے کے مغربی انداز نے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کی کمر پر چربی کی موٹی موٹی تہیں چڑھادی ہیں اس وقت ۹۰ ملین سے زیادہ چینی لوگ روز افزوں خطرناک موٹاپے میں مبتلا ہیں۔

لوگ قمیض اتار کر موٹا پا دکھاتے ہیں:

اسکول جانے والے گیارہ فی صد سے زیادہ بچے موٹاپے کا شکار ہیں اس شرح میں آٹھ فیصد سالانہ سے اضافہ ہورہا ہے شنگھائی جیسے شہروں میں بچے خصوصا موٹاپے کا شکار ہیں چین کی مقامی حکومتیں اپنے افسران کے لیے میزانیے میں موٹا پا کم کرنے کے لیے رقمیں مختص کررہی ہیں اور افسران کو کھیل کود کے کلب جانے پر راغب کررہی ہیں میکڈانلڈ اور کے ایف سی کی خوردنی ثقافت نے چین کے بیشتر شہروں کو اپنے سنہری جال میں جکڑ لیا ہے ہوٹلوں میں اربوں روپے کا کھانا اس ملک میں کھایا جارہا ہے جہاں لاکھوں لوگ ۱۹۵۰ء میں قحط کے باعث ہلاک ہوگئے تھے اور کروڑوں لوگ آج بھی روزانہ ایک ڈالر سے کم اجرت حاصل کرتے ہیں موٹاپے میں مبتلا لوگ اپنی امارت پر فخر کرتے ہیں اور امارت کا اظہار اپنے موٹے جسموں کی سرعام نمائش کے ذریعے کرتے ہیں گارجین نیوز سروس کے مطابق

> In many parts of the country during the summer, men roll up their shirts to expose their bulging jiangjun du (general's bellies) [Guardian Feature Service]

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ مغربی فکر سائنس وٹیکنالوجی لوگوں کے زاویہ نظر کو کس طرح تبدیل کرتی ہے۔

اوزون کی تہہ کس نے توڑی!

امیر وغریب کا فرق بھی چین میں تیزی سے بڑھ رہا ہے صرف دس فیصد آبادی ملک کے پینتالیس فیصد سے زیادہ دولت کی مالک ہے یہ اس ملک کا حال ہے جو ۱۹۴۸ء میں آزادی کی نعمت سے مالا

مال ہوا ۱۹۷۰ء تک چین اپنے نظریات سے دستبردار ہو گیا اور صرف تیس سال کے عرصے میں مغربی تہذیب سائنس وٹیکنالوجی نے اس کی ثقافت، تہذیب واخلاقیات کو تہس نہس کر کے رکھ دیا چین کا ایک منظر ۱۹۹۵ء تک یہ تھا کہ لوگ گرم پانی پیتے تھے اور ہر گھر میں گرم پانی کے شیشے کے خوبصورت برتن عام ملتے تھے اب چینی ٹھنڈا پانی پیتے ہیں، ایئر کنڈیشنر اور فریج خریدتے ہیں ایئر کنڈیشنڈ، فریج ایجاد کرنے والوں نے یہ نہیں سوچا کہ اوزون کی تہہ اس گیس سے ٹوٹ جائے گی اوزون کی تہہ ٹوٹنے کے نتیجے میں تمام مغربی سفید فام اقوام جلد کے کینسر میں تیزی سے مبتلا ہو رہی ہیں عارضی فائدوں نے دنیا کو دائمی جہنم بنا دیا ہے اوزون کی تہہ ٹوٹنے سے دنیا میں گرمی کی شدت قدرت کے قائم کردہ توازن سے بڑھ گئی ہے جس کے باعث گلیشئر پگھل رہے ہیں۔

[برازیل میں ماحوالیات کی ایک عالمی کانفرنس میں جب تیسری دنیا کے ملکوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے ملکوں میں ان صنعتوں پر پابندی عائد کر دیں جو خطرناک آلودگی پیدا کر رہی ہیں اس کے باعث جلد کا سرطان مغرب میں پھیل رہا ہے کیوں کہ اوزون کی تہہ ٹوٹنے سے سورج کی شعاعیں براہِ راست کرۂ ارض کو متاثر کر رہی ہیں مثلاً اینٹوں کے بھٹے وغیرہ تو اندرا گاندھی نے اس کا جواب دیا تھا کہ ہم ہمارے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں ہم اپ کی گوری جلد کے تحفظ کی خاطر اپنی صنعتیں بند نہیں کر سکتے اوزون کی تہہ ٹوٹنے سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے کیوں کہ ہماری جلدیں سورج کی روشنی کو خطرناک حد تک برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں] فریج نے ہماری زندگی پر کیسے اثرات مرتب کیے ہیں اور ہماری صحت کو کس طرح تباہ کیا ہے؟ فریج اور فریزر نے ہماری اخلاقیات، روایات، صحت، سخاوت، فیاضی، دریا دلی، نفس کے غنا پر کیسے سنگین اثرات مرتب کیے ہیں اس کا اندازہ قربانی کے موقع پر لوگوں کے رویے سے کیا جا سکتا ہے۔ دعوتوں کے بعد کھانوں کو تقسیم کرنے کے بجائے جما کر مہینوں کھانے کی علت کا مشاہدہ کیا جائے تو بہت سے راز بے نقاب ہو جائیں گے۔

جنسی امراض: طبی انقلاب

دنیا کی تاریخ میں اتنے جنسی امراض کبھی پیدا نہیں ہوئے جس قسم کے امراض مغربی تہذیب کے غلبے کے نتیجے میں آزادانہ جنسی تعلقات کے باعث پیدا ہوئے کیونکہ جنسی عمل ہی زندگی کا اصل مقصد ٹھہرا، عیش وعشرت کو آخری حد تک ممکن بنانے کے لیے طب کی دنیا میں جنسی امراض کے علاج کا انقلاب پیدا ہوا۔ اسلامی یا مذہبی تہذیبوں نے کبھی یہ امراض پیدا نہیں کیے۔ لہٰذا ان امراض کا علاج بھی دریافت نہیں کیا۔ لہٰذا یہ طبی انقلاب کسی مذہبی، تہذیب میں نہ کبھی برپا ہوا نہ کبھی برپا ہو سکتا ہے۔ جنسی امراض کے نتیجے میں نفسیاتی امراض کا بھی سیل بلا آیا کیوں کہ جنسی آزادی نے خاندان کی تنظیم، معاشرتی تعلقات اور خونی رشتوں کو تہس نہس کر دیا تھا۔ لہٰذا تنہا فرد جب زندگی کی گردشوں سے اکتا گیا تو نفسیاتی امراض کے گرداب میں پھنس گیا۔ مغرب میں میکے، سسرال، خالہ، نانی، دادی کے رشتے ختم ہو چکے ہیں۔ اگر رشتہ دار موجود ہیں تو وہ ''بوڑھوں کے گھروں'' میں انتظار کی گھڑیاں گن رہے

Tarikh-e-Alam Correction

ہیں۔ان امراض سے بچانے کے لیے نفسیات کا علم ایجاد ہوا اور اس علم میں ایسی ترقی ہوئی کہ مذہبی لوگ بھی اس پر رشک کرنے لگے، مذہبی تہذیبوں میں خاندان کا ادارہ، معاشرتی تنظیم ازدواجی تعلقات کی پاکیزگی، شرم و حیاء اور رشتوں کے پاس و لحاظ کے باعث اس درجہ کے ہولناک نفسیاتی مسائل کبھی پیدا نہیں ہوئے لہٰذا نفسیاتی بیماریوں کے علاج کی صنعت کا انقلاب بھی برپا نہیں ہوا۔

امریکہ: ہر سال ایک لاکھ عورتوں کی آبروریزی

مغرب میں جنسی آزادیوں کے باوجود لوگوں کی جنسی ہوس پوری نہ ہوسکی، اس کی نمایاں مثال امریکہ ہے، دنیا کی طاقتور ترین ریاست کی اخلاقی حالت کیا ہے؟ چند سال پہلے امریکی فوج کی دو خواتین جنرلز نے شکایت کی کہ ان سے سینئر جنرلز نے ان کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کیا۔اس معاملے کی تحقیقات ہوئیں لیکن معاملہ دبا دیا گیا۔

۲۰۰۴ء میں عراق، کویت اور افغانستان میں امریکی فوج کی ۹۱ خواتین نے اپنے ساتھی فوجیوں کے ہاتھوں زیادتی کی شکایات کیں زیادتی کرنے والے تعلیم یافتہ، مہذب، متمدن، روشن خیال، لبرل اور امریکہ جیسی عظیم طاقت کے شہری تھے لیکن جذبات پر قابو نہیں رکھ سکے۔جب کہ نیوی میں ایسے ۱۲ اور ایئر فورس میں تین واقعات پیش آئے ان تمام خواتین کو انصاف نہ ملنے یا انصاف میں تاخیر کی شکایت ہے۔امریکی فوج کی ایک خاتون افسر کیپٹن جنیفر میچ مر پچھلے تین سال میں تین مرتبہ زیادتی کا شکار ہوچکی ہے اور آخری مرتبہ اس نے شکایت کی تو دادرسی کے بجائے زناکار ملزم کو ترقی مل گئی۔میجر بیتھ جیمسن کے ساتھ ۲۰/ مارچ ۲۰۰۳ء کو کویت میں اس کے ایک افسر نے زیادتی کی، امریکی فوج کی خاتون بریگیڈیئر جنرل کے سی میکلن اپنی تحقیقات میں ملزم کے خلاف فیصلہ دے چکی ہیں لیکن ملزم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔[Jang 20 June 2005, Hamid Mir]

پاکستان: سالانہ چھ سو عورتوں کی آبروریزی:

پاکستان میں تمام تر جہالت اور پسماندگی کے باوجود خواتین کے ساتھ زیادتی کے واقعات سالانہ چھ سو سے زیادہ نہیں ہوتے جب کہ ایف بی آئی کے اعداد و شمار کے مطابق ۲۰۰۳ء میں تقریباً ایک لاکھ امریکی خواتین زیادتی کا شکار ہوئیں۔ پاکستان میں تو جنسی آزادی حاصل نہیں ہے۔سوال یہ ہے کہ امریکہ میں مکمل جنسی آزادی کے باوجود ایک لاکھ عورتوں کی عصمت دری کی وجوہات کیا ہیں؟ صرف یہی نہیں امریکا میں ہر سال چار لاکھ بچے جنسی جرائم کا شکار ہوتے ہیں۔اس کا اصل سبب جمہوریت اور سرمایہ داری ہے۔جس کا مسلک و مذہب خواہش نفس کو الٰہ سمجھتا ہے۔ جہاں جمہوریت و سرمایہ داری غالب ہوگی وہاں جنسی ہوسناکی انتہا پر ہوگی دنیا کے تمام جمہوری معاشروں کے اعداد و شمار اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔

جنسی آزادی: سرمایہ داری کے فروغ کے لیے ضروری ہے:

جنسی آزادیوں کے نتیجے میں زنا بالجبر کی وارداتوں میں کمی کے بجائے حیرت انگیز اضافہ ہوا اور زنا کاری دنیا کے تمام جمہوری لبرل معاشروں میں عام ہوتی جا رہی ہے۔ نسل کشی، زنا کاری، عیاشی، آوارگی اور جمہوریت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی طرز عمل کے نتیجے میں مارکیٹ اکانومی مضبوط ہوتی ہے کیونکہ زنا سے خاندان ٹوٹتے ہیں تو صارفین کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے، اجتماعیّتوں کے تحلیل ہونے سے ہر فرد تنہا ہوتا ہے تو صنعتوں کی اشیاء کی کھپت بڑھ جاتی ہے۔

زنا کاروں کے لیے اجتہاد کی ضرورت کیوں؟

زنا کاری روکنے کے لیے جدیدیت پسندوں کا طریقہ کار بالکل مختلف ہے مثلاً پاکستان میں زنا کاری کے واقعات میں اضافہ ہوا تو اس کی اصل وجوہات جمہوریت، آزادی، مساوات عورتوں کی گھروں سے بے دخلی، گھاٹ گھاٹ سے گھونٹ گھونٹ پانی پینے کی ثقافت، ذرائع ابلاغیات سے عریانی، فحاشی، آوارگی، جنسی آزادی کا فروغ، اخلاقی قدروں کے زوال کا جائزہ لینے کے بجائے اسلامی سزاؤں کو ہدف تنقید بنایا گیا کہ اسلامی سزائیں کارآمد نہ ہونے سے زنا کاروں کو سزائیں نہیں دی جاسکتیں۔ اسلام آباد کے ایک عالمی سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے ملک کی ایک اعلیٰ ترین شخصیت نے کہا کہ جدید سائنس نے اب بہت ترقی کر لی ہے ہم سائنسی طریقوں سے زانی کی شناخت کر سکتے ہیں، خون کی تشخیص اور ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ زنا کرنے والا کون ہے؟ لہٰذا ہمیں قرآن میں بیان کردہ زنا کی سزا پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے جس میں چار گواہوں کا ہونا لازمی ہے یہ اسلامی سزا زانیوں کو قانون کی زد سے بچاتی ہے لہٰذا علماء اس پر نظر ثانی کریں تاکہ زنا کاروں کو قانون کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر سزا سے بچنے کی سہولت ختم کر دی جائے۔ [گویا اسلام اور اللہ کا قانون معاشرے میں زنا کو فروغ دینے کا سبب ہیں نعوذ باللہ] اکیسویں صدی میں اجتہاد کی ضرورت ہے اور علماء کو جدید عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے اجتہاد پر توجہ دینا ہوگی۔ سرسری نظر سے دیکھا جائے تو یہ موقف بہت وزنی نظر آتا ہے لیکن جس شخص کا اللہ پر اس کی کتاب پر اس کے رسول آخری پر ایمان کامل ہے وہ اس اعتراض کی سطحیت لغویت اور اس کی تہہ میں پوشیدہ اسلام کے خلاف مغربی زہر کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اسلام آباد کے اس سیمینار میں تقریر کرنے والے مقتدر فرد سے شرکاء سیمینار میں سے کسی عالم نے یہ نہیں پوچھا کہ اسلامی سزائیں اسلامی تہذیب تمدن، اخلاقیات، روحانیات، معیشت و معاشرت کے ساتھ مشروط و منسلک ہیں یا یہ مغربی تہذیب و تمدن کے لیے بنائی گئی ہے اسلامی سزائیں اسلامی معاشرے میں نافذ کی جاتی ہیں۔ ایک ایسی تہذیب و تمدن جہاں حیاء، شرم، عفت، عصمت، شرافت، جھکی ہوئی نگاہیں، رشتوں کا احترام، عورتوں کی عزت، پاکیزہ معاشرت اور پاکیزہ حکومت موجود ہوتی ہے لہٰذا وہاں زنا کاری کے واقعات استثنائی واقعات ہوتے ہیں لہٰذا ان استثنائی واقعات کی چھان پھٹک اسی طریقے سے کی جاتی ہے لیکن آج پاکستان میں جس طرح آزادی،

Tarikh-e-Alam Correction

فحاشی، عریانی، سیکولرازم کا انقلاب برپا کیا جارہا ہے اس کے ہوتے ہوئے اسلامی سزاؤں پر اعتراض کرنا انتہائی نادانی کا معاملہ ہے اعتراض کرنے والا خود عریانی فحاشی کو فروغ دے رہا ہے اور اپنے طرز عمل کو دیکھنے کے بجائے اعتراض اسلام پر کررہا ہے۔ اسلام صرف مریض کو نہیں مرض کو بھی ختم کرتا ہے، اس کا حکم ہے قتلوا تقتیلا فحاشی پھیلانے والوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے قتل کردیا جائے۔ وہ زنا کاری کی بنیادوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے، مخلوط معاشرت، مخلوط طرز عمل، عورتوں اور مردوں کا بے روک ٹوک میل جول، جنسی جذبات بھڑکانے والے مناظر، زندگی کے ہر شعبے میں عورت کے جنسی پہلو کو اجاگر کرنے کے بعد یہ توقع رکھنا کہ لوگ پاکیزہ زندگی بسر کریں۔ یا اس قدر آزادی کے بعد عورتوں کو زنا کے لیے خوشی سے راضی کریں لیکن جبراً زنا نہ کریں، روشن خیال بن جائیں اور طرفین کی رضامندی سے زنا کے مرتکب ہوں، احمقانہ خیال ہے۔ مغربی معاشرت کو عام کرکے اسلامی سزاؤں کو نامکمل اور ناقص قرار دینا، جدیدیت کی نئی علمی یلغار ہے۔ اس یلغار سے نمٹنے کے لیے ضروری ہے کہ معاملات کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے۔ اور علم کلام کو زندہ کیا جائے۔

دلہنیں: دولت کے لیے بے حجاب

اے ایف پی نے ۷/ جون ۲۰۰۵ کو نیویارک کی ایک تصویر دنیا بھر کے اخبارات کو جاری کی ہے، تصویر کی تشریح اے ایف پی کے الفاظ میں:

[Twenty brides dressed in wedding gowns dire into a large wedding cake to find a 50000 dollars prize on Tuesday.]

تفصیل کے مطابق نیویارک کے ایک ہوٹل میں ۲۰ نو بیاہتا دلہنیں نکاح کے فوری بعد نکاح کے لباس میں نیم عریاں حالت میں پچاس ہزار ڈالر کے انعام کی تلاش میں ایک بڑے کیک کے اندر غوطے لگا کر مکھن کی تہوں میں تیرتے ہوئے کیک کو جسم سے مسلتے ہوئے پچاس ہزار ڈالر کا انعام تلاش کررہی ہیں۔ جم غفیر اس نظارے سے لطف اندوز ہورہا ہے۔ اس طرز زندگی کو مغربی سائنس و ٹیکنالوجی ممکن بنارہی ہے۔

یہ طرز زندگی اس مغربی فکر و فلسفے سے پیدا ہوا ہے جس میں دولت ہی سب کچھ ہے خواہ دلہن کو مکھن کے سمندر میں ڈوب کر دولت تلاش کرنا پڑے، کیوں کہ زندگی کا اصل مقصد تو پیسہ ہے۔ سنجیدگی، بردباری، صبر و تحمل، تہذیب، اخلاق، تہذیب جذبات جو اٹھارہویں صدی تک کلیسائی تہذیب و تمدن کا مسئلہ تھے مغرب کی علمیات تبدیل ہونے کے بعد اب یہ مسئلے ختم ہوکر رہ گئے ہیں۔ ان مسائل کی کوئی اہمیت ہی نہیں کیوں کہ جدید سائنس نے انسان کے فکر و نظر کے تمام سانچے مادی سانچے میں ڈھال دیئے ہیں۔ کیا اسلامی معاشرے میں نکاح کے روز اس قسم کی شرانگیز ثقافت کو برداشت کیا جاسکتا ہے؟

اسلحے کے بیوپاری: امن کے علمبردار

اسٹاک ہوم انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ [SIPRI] نے سال رواں کی کتاب میں اسلحہ کی صنعت سے وابستہ ممالک کے جو اعداد و شمار دیئے ہیں وہ ان لوگوں کی آنکھ کھولنے کے لیے کافی ہیں جو جدید سائنس کے مداح ہیں انسٹی ٹیوٹ کے اعداد و شمار کے مطابق:

دنیا کی عظیم طاقت امریکہ دنیا کے تمام ممالک کے کل عسکری اخراجات کا پچاس فی صد اپنے فوجی اخراجات پر خرچ کرتی ہے۔ واضح رہے کہ دنیا کا سب سے مہذب متمدن ملک امریکہ ہے جو سب سے زیادہ اسلحہ پر خرچ کر رہا ہے۔ امریکا کا اسلحہ پر یہ خرچ دنیا کی تیس بڑے طاقتور ممالک کے فوجی اخراجات سے بھی زیادہ ہے۔ اسلحہ پر اتنا خرچ وہی کرسکتا ہے جو اپنے آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ کمزور سمجھتا ہے۔ یا دنیا کی ہر طاقت کو اسلحے کے زور پر کمزور کرنا چاہتا ہے۔ [مذہبی معاشرے اسلحے کی طاقت پر کسی کو زیر نہیں کرتے۔ اسلحہ کا استعمال سب سے آخر میں آخری چارۂ کار کے طور پر کیا جاتا ہے۔] عسکری اخراجات میں دنیا کے پانچ بڑے ممالک کو برتری حاصل ہے جن میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جاپان اور چین شامل ہیں۔ ان پانچوں ممالک کے عسکری اخراجات دنیا کے تمام ممالک کے عسکری اخراجات کا تین چوتھائی ہیں، ان ممالک کی جانب سے عسکری اخراجات میں یہ اسراف ان کے مقاصد، اہداف، منزل کا تعین کرنے کے لیے کافی ہے۔

اسلحے کا اسی فی صد کاروبار: سلامتی کونسل کے چار ارکان

گزشتہ پانچ سال میں روس نے روایتی اسلحہ کی فروخت کے میدان میں تمام ممالک کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ سن دو ہزار سے دو ہزار چار کے درمیان دنیا بھر میں روایتی اسلحہ کی فروخت کا ۸۱ فیصد کاروبار روس، امریکہ، برطانیہ، فرانس اور جرمنی کی تحویل میں رہا۔ یہ وہی ممالک ہیں جنھوں نے اپنی نو آبادیات کے ساتھ لوٹ مار کا رویہ اختیار کیا، لوٹ کے مال سے جدید سائنس ایجاد کی، سائنس کے ذریعے ٹیکنالوجی کو فروغ دیا۔ اس کے ذریعے صنعتی ترقی کی اور اپنی برتری کے لیے خوف ناک اسلحہ نہ صرف تیار کیا بلکہ پوری دنیا میں مسلسل فروخت کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود یہ پانچوں ممالک دنیا میں امن کے سب سے بڑے علمبردار انسانیت نواز اور مہذب کہلاتے ہیں ان میں سے چار ممالک اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے رکن بھی ہیں تاریخ کا عجیب منظر ہے کہ اسلحہ کے تاجر دنیا بھر میں امن کے علمبردار بھی ہیں۔ شیخ سعدی کی حکایت ہے کہ ایک شکاری پرندوں کا شکار کرنے تیر کمان تان کر جا رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھی، ایک پرندے نے نہایت دکھ سے اپنے ہمسفر کو مخاطب کیا کہ دیکھو یہ شکاری کتنا رحم دل ہے یہ صیاد تو ہے لیکن اس کی آنکھوں میں درد کے کتنے آنسو ہیں، ہمسفر نے برجستہ جواب دیا صیاد کی آنکھ کے آنسو نہ دیکھو اس کے ہاتھ میں موجود تیر کمان کو دیکھو المیہ یہ ہے کہ عہد حاضر میں ہمارے مفکرین عالمی طاقتوں کی آنکھ کے آنسو دیکھ رہے ہیں ان کے ہاتھوں میں موجود تیر کمان نہیں دیکھ رہے اور تمام جدیدیت پسند مفکرین اسلام کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں علماء کی تضحیک کر رہے ہیں اور مغرب کی تعریف میں

مصروف ہیں۔ مذہبی تہذیبوں نے کبھی دنیا کی تاریخ میں اسلحہ کے ذریعہ معیشت کے ذرائع پیدا نہیں کیے، اسلحہ بیچنا انسانی خون سے ہولی کھیلنے کے مترادف ہے۔

اسلحہ پر خرچ کرنے والے دنیا کے اہم پندرہ ممالک میں اسلامی ممالک صرف دو ہیں اور ان دو اسلامی کا اسلحہ پر خرچ بھی مغربی طاقتوں کے زیر اثر ہے۔ اگر مغربی ممالک اسلحہ کے کارخانے بند کردیں تو دنیا میں جنگیں دہشت گردی خود بخود ختم ہو جائے لیکن اس موضوع سے کسی کو دلچسپی نہیں ہے۔

Top military spenders

Rank	country	Expenditures (in billion of dollars) 2004	2003
1.	United States	455.3	414.4
2.	United Kingdom	47.4	51.1
3.	France	46.2	45.4
4.	Japan	42.4	42.7
5.	China	35.4	33.1
6.	Germany	33.9	34.8
7.	Italy	27.8	27.6
8.	Russia	19.4	18.5
9.	Saudi Arabia	19.3	18.8
10.	South Korea	15.5	14.9
11.	India	15.1	12.7
12.	Israel	10.7	10.0
13.	Canada	10.6	10.0
14.	Turkey	10.1	10.3
15.	Australia	10.1	9.7

[Reuter, SIPRI 7 June 2005 all English News Papers]

انبیاء کی امتوں کے خصائص:

ساحل جولائی ۲۰۰۵ء

Tarikh-e-Alam Correction

انبیاءاوران کے امتی قرآن کے بتائے ہوئے نہج پر زندگی، کائنات، معاشرے اور عالم کی تعمیر کرتے ہیں نہ کہ جدیدیت پسندوں کے نقطۂ نظر سے جن کے لیے معیارِ حق، میزان، الحق صرف اور صرف مغرب کے افکار ونظریات اور وہاں سے آنے والی ہرنئی ایجاد ہے۔

انبیاء اپنی امتوں میں تین خصوصیات پیدا کرتے ہیں نوع انسان سے محبت جس کے ذریعے انھیں دین کے دائرہ میں داخل کیا جائے اور آگ سے بچایا جائے، دنیا کے بجائے دین سے محبت اور زندگی کے بجائے آخرت سے محبت، جو موت کا خوف دور کر کے انسان کو جری بنا دیتی ہے۔ تہذیب تمدن کی بنیاد انہی تین پتھروں پر رکھی جاتی ہے اس لیے رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا تم تعداد میں بہت ہوگے مگر تمہاری کوئی حیثیت نہ ہوگی سائل نے پوچھا کیوں تو فرمایا اللہ تمہارے دلوں میں وھن ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے عرض کیا وھن کیا ہوتا ہے؟ فرمایا دنیا سے محبت اور موت کا خوف۔[کنز الاعمال ح ۵، ص:۴۳] دنیا سے محبت موت کا خوف پیدا کرتی ہے لذت دنیا میں انہاک کا سبب بنتی ہے لذت دنیا عمر طویل کی آرزومندی پیدا کرتی ہے اس لیے یہودیوں سے کہا گیا فتمنو الموت ان کنتم صدقین اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ قرآن حکیم انبیاء کے مقابل عالیشان تہذیب وتمدن، زبردست معاشی ترقی اور سائنس وٹیکنالوجی میں برتر فریق کے بارے میں انبیاء کو کیا تعلیم دیتا ہے؟ اس تعلیم کا ہر حرف آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور مادیت پرستوں، جدیدیت پسندوں کے تمام شبہات، سوالات اعتراضات کا جواب ہے۔ جن کا تعلق معیشت سائنس وٹیکنالوجی کی ترجیح سے ہے۔

☆ کتنی ہی ایسی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اترا گئے تھے۔[قصص آیت ۵۸]

☆ تمہیںؐ قرآن عظیم عطا کیا ہے تم اس متاع دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے اور نہ ان کے حال پر دل کڑھاؤ۔[حجر آیت ۸۸]

☆ اے نبیؐ نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو، دنیوی زندگی کی اس شان وشوکت کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے وہ تو ہم نے انھیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق ہی بہتر اور پائندہ تر ہے۔[طٰہٰ آیت ۱۳۱]

☆ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے............اس کے لیے ایک خزانہ ہی اتار دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ اطمینان کی روزی حاصل کرتا۔[الفرقان آیت ۸۔۹]

☆ انھوں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ ہم تم سے زیادہ مال واولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں، اے نبی ان سے کہہ دو کہ میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہے نپا تلا رزق عطا کرتا ہے لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے۔[سباء آیت ۳۴]

☆ اگر اللہ اپنے سب بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے۔[السجدہ آیت ۲۷]

☆ جب کھلی کھلی آیات سنائی جاتی ہیں تو انکار کرنے والے ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں زیادہ شاندار ہیں، حالانکہ ہم کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے زیادہ سروسامان رکھتی تھیں اور ظاہری شوکت میں ان سے بڑھی ہوئی تھیں۔[مریم آیت ۳۷]

☆ اے نبی دنیا کے مکینوں میں خدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے یہ محض چندروزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے۔[آل عمران ۱۹۶]

☆ تو اے پیغمبر کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان چیزوں میں سے کسی چیز کو (بیان کرنے) سے چھوڑ دو جو تمہاری طرف وحی کی جا رہی ہے اور اس بات پر دل تنگ نہ ہو کہ وہ کہیں گے اس شخص پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتارا گیا یا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا تم تو محض خبردار کرنے والے ہو۔[ھود آیت ۱۲]

☆ اور موسیٰ نے دعا کی اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال سے نواز رکھا ہے۔اے رب کیا یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں اے رب ان کے مال غارت کر دے۔[یونس آیت ۸۸]

☆ اے پیغمبر ان سے کہہ دیجیے کہ پاک اور ناپاک بہرحال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو۔[النساء آیت ۱۰۰]

☆ فرعون نے کہا لوگو کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے............کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو حقیر ہے اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے یا فرشتوں کا ایک دستہ اس کی اردلی میں نہ آیا۔[الزخرف ۵۱-۵۲]

☆ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو ہم خدائے رحمان سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں اور ان کے دروازے اور ان کے تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں سب چاندی اور سونے کے بنا دیتے یہ تو محض حیات دنیا کی متاع ہے اور آخرت تیرے رب کے ہاں صرف متقین کے لیے ہے۔[الزخرف آیت ۳۳]

☆ اگر اللہ اپنے سب بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے۔[السجدہ آیت ۲۷] ان آیات کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کو جس مقصد اور اس مقصد کے لیے جس طرز زندگی کی ضرورت تھی اس کا تقاضہ یہی تھا کہ دنیا پرستی کے مظاہر سے بے پروا ہو کر

آخرت کی تیاری کی جائے اسی لیے مذہبی معاشروں میں وہ ترقی وہ دنیاداری، وہ مادی چکا چوند ممکن ہی نہیں جو جدید سائنس اور مغربی فلسفے کے بطن سے طلوع ہوتی ہے کیوں کے دونوں معاشروں کے مقاصد اور اہداف مختلف ہیں۔

انبیاء کی سائنس و ٹیکنالوجی قرآن میں کیوں محفوظ نہیں؟

تمام مٹائی گئی قوموں کی عالیشان عمارتیں آثار عبرت کے مرقع کے طور پر محفوظ ہیں۔اس کے مقابل انبیاء کے تہذیب وتمدن کے مادی مظاہر کیا محفوظ ہیں؟ خانہ کعبہ ''پہلا وہ گھر خدا کا'' کہا جاتا ہے یہ پہلا گھر ہزاروں سال سے کس طرز تعمیر کی نشاندہی کر رہا ہے۔ دنیا نے عروج وعظمت کے کئی ادوار دیکھے ہیں لیکن اس گھر کو اس کی اولین صورت میں محفوظ رکھ کر خالق کائنات نے اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں نے امت کو کیا پیغام دیا ہے؟ یہ پیغام سادگی کا ہے یا شان وشوکت کے جلوؤں کا اس گھر کے در در دیوار سے اس تہذیب، ثقافت، تمدن کی صبح طلوع ہوتی ہے جس کی ایک آخری اور دائمی جھلک عہد رسالت کے مدینۃ النبی میں اور حجرہ نبوی میں محفوظ کی گئی تھی۔ حجرہ رسول اسوہ رسول اور خانہ خدا کو دیکھنے کے بعد اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ عیش وعشرت کی زندگی اور ثقافت اسلامی طرز زندگی ہے تو یہ محض خام خیالی ہے۔ انبیاء کرام کے عہد، تہذیب، تمدن کے مظاہر کو قرآن میں کیوں محفوظ نہیں رکھا گیا۔ محفوظ رکھنے کی چیزیں عمارتیں، مادی سروسامان نہیں روحانی طاقت ہے، عمارتیں گل سڑ جاتی ہیں لیکن روحانی طاقت اور روح کا سفر قیامت تک جاری رہتا ہے اور روحانی ہستی کا وجود تاریخ کے ہر دور میں احترام کا مقام پاتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں بعض انبیاء کی یہ دعا ملتی ہے کہ اے اللہ ہمیں بعد میں آنے والوں میں سچی ناموری عطا فرما۔ [الشعراء، آیت ۸۴] حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کو ملک عظیم بخشا گیا۔ داؤدؑ، سلیمانؑ، جالوتؑ طالوت کی سلطنتیں کتنی عظیم الشان تھیں لیکن ان کی کوئی مادی علامت محفوظ نہیں، روحانیت آج بھی زندہ ہے۔ کیونکہ یہی اصل حیات ہے اسے محفوظ رکھنا ہی اصل کام ہے، یہی طاقت کا سرچشمہ اور عروج کا زینہ ہے۔ قرآن نے جب تمام اقوام کے تہذیب وتمدن کی تصاویر محفوظ کیں تو انبیاء کی امتوں کی سائنس و ٹیکنالوجی بربریت اور تہذیب وتمدن، ترقی فلاح بڑے بڑے منصوبے عالیشان سڑکیں، عمارات کی کیوں تصویر کشی نہیں کی گئی؟ اقوام عاد وثمود سے کہا گیا یہ تمہاری عالیشان عمارتیں بڑے بڑے قصر گویا دنیا میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے [الشعراء، آیت ۱۲۰] عظیم الشان عمارتیں دنیا کی یاد دل میں سمو دیتی ہیں پھر طول عمر کی آرزو ہوتی ہے اور انسان موت سے فرار اور زندگی طویل چاہتا ہے، اسی لیے تو یہودیوں سے کہا گیا تھا فتمنوا الموت ان کنتم صدقین اور رسالت مآبؐ نے یونہی نہیں فرمایا کہ جو شخص تھوڑے سے رزق پر راضی ہوگیا اللہ اس کے تھوڑے سے عمل پر راضی ہوگیا۔ رسالت مآبؐ کا حجرہ اسلامی تہذیب وتاریخ کا آئیڈیل ہے۔ اندلس کا قصر الزہرہ اسلامی تہذیب وتاریخ کا آئیڈیل نہیں ہے یہ تبدیلی اور تغیر ہی جدیدیت ہے یہ جدیدیت کس کس طرح کہاں کہاں در آئی ہے اس کا تاریخی جائزہ ''جریدہ'' کے آئندہ

Tarikh-e-Alam Correction

شمارے میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

کیا ایک اسلامی ریاست کا مقصد لوگوں کا قتل عام صرف ترقی صرف اعلیٰ معیار زندگی ہے؟

اندلس کی ریاست ۷۰۰ میں قائم ہوئی اور ۱۴۹۴ء میں ختم ہوگئی یورپ کو علم و ہنر سائنس وفنون روشنی دینے والی ریاست اپنی ہی روشنی سے فنا ہوگئی، خلافت عثمانیہ ۱۹۲۴ء تک زندہ رہی لیکن یہ سائنسی ریاست کیوں ختم ہوگئی اس کا جواب کسی جدیدیت پسند کے پاس نہیں ہے۔ آج ہسپانیہ مسلمانوں سے کیوں خالی ہے؟ وجہ صرف مادہ پرستی تھی جسے خدا بے زار بے لگام سائنسی ترقی ممکن بناتی ہے۔ اسی سائنس نے اندلس کی بنیادوں کو منہدم کر دیا۔ کیونکہ اندلس کی سائنس روحانیت کی بنیادوں سے نہیں مادیت کی اساس سے نکلی تھی۔ جدید سائنس مغرب کی مادیت سے نکلی ہے، اس لیے مجبوری کے طور پر دفاعی حکمت عملی کے نقطۂ نظر سے عارضی دور کے لیے اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس مغربی سائنس کو کسی اسلامی معاشرے میں نہ فروغ مل سکتا ہے نہ کسی اسلامی ریاست میں مغرب کی مادی سائنس ترقی پاسکتی ہے کیونکہ اس سائنس کے مقاصد، اہداف، الٰہیات اور علمیات اسلامی علمیات سے سراسر متصادم ہیں۔

جدید سائنس: عالم اسلام میں فروغ ممکن نہیں

مثلاً دنیا کے کسی مذہبی معاشرے میں ایٹم بم جیسا خطرناک ہتھیار جو ارض وسماء میں تباہی پھیلا دے۔ کبھی ایجاد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اسلام کا مقصد لوگوں کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ حقیقی ہلاکت یعنی جہنم سے بچانا ہے۔ اور لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا ہے۔ ہلاک صرف اسی کو کیا جاتا ہے جو ہلاکت کا حقدار ٹھہرتا ہے یہ نہیں کہ ایک فرد کو ہلاک کرنے کے لیے افغانستان میں پوری بارات کو خودکار ہتھیاروں سے تہس نہس کر دیا جائے۔ اور یہ سمجھا جائے کہ ارض وسماء کی گردش ہمارے اختیار میں ہے۔ یہ مغربی تہذیب کا طریقہ ہے اس طریقے کو قابل عمل بنانے کے لیے یہ سائنس وٹیکنالوجی بربریت اور بہیمیت کے خادم کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ وحی الٰہی کی بنیاد پر تعمیر ہونے والی کسی تہذیب اور کسی تمدن میں انسانی زندگی کے لیے مہلک ترین ہتھیار بنانے کا تصور پیدا ہی نہیں ہوسکتا، نہ یہ معاشرے نوآبادیات قائم کرتے ہیں، نہ انسانوں کی خرید وفروخت اور جبری بے گار کے ذریعے اپنے مقبوضات سے دولت سمیٹتے ہیں نہ انسانوں کا قتل عام کرسکتے ہیں، نہ دنیا اور صرف دنیا، عیش وعشرت مادیت، معیار زندگی میں روزانہ اضافے کو مقصد زندگی قرار دے سکتے ہیں ان معاشروں میں موت آخرت کا تصورِ انحطاط کے باوجود بہر حال باقی رہتا ہے جو انسان کا دل دنیا سے اٹھا کر آخرت میں لگا دیتا ہے لہٰذا مذہبی معاشروں میں کبھی مادہ پرست سائنس کو فروغ نہ مل سکا ان معاشروں کی سائنس وٹیکنالوجی بھی اپنے مذہبی نظریات سے برآمد ہوتی ہے اور صراط مستقیم پر سفر کرتی ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کی تاریخ میں امریکی برطانوی، ولندیزی، فرانسیسی المانوی، استعمار کی طرح لوٹ مار بہیمیت درندگی کے واقعات نہیں ملتے۔

فلسفی سائنس داں: قصیدے لکھنے والا کوئی نہیں

جدید سائنس نے انسان کو خدا سے محروم کیا اور تین سو سال میں ایک بھی سائنس دان ایسا پیدا نہ ہوا جو مشاہدات کی بنیاد پر اللہ کا بندہ یا ولی اللہ بن گیا ہو۔ خالق کائنات کو پا لینے کے بعد اس کی زندگی بدل گئی ہو اور اس نے لوگوں کی زندگی بدل دی ہو۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی سائنس دان اور کسی فلسفی نے کسی علاقے کسی شہر، کسی گاؤں یا کسی چھوٹے سے قصبے کو بھی اپنا گرویدہ، ہمنوا، اور مشتاق نہیں بنایا زمین پر کوئی چپہ ایسا نہیں جہاں کے لوگ کسی سائنس دان یا فلسفی کے افکار کو اپنے گھروں میں شب و روز پڑھتے ہوں، زندگی اس کی یاد میں بسر کرتے ہوں، اس کی مناجات سے اپنے صبح و شام کو روشن کرتے ہوں، تھیلس ارسطو سقراط، فیثا غورث، نیوٹن، آئن اسٹائن اپنی ذہانت اور عبقریت کے باوجود پیغمبروں، اولیاء، اور صوفیاء کی طرح دنیا کے کسی کونے کھدرے میں اپنے معتقدین کا ایک حلقہ بھی نہ بنا سکے۔ یہی مادہ پرستی کا المیہ ہے لیکن انبیاء اولیاء اور صوفیاء بے شمار بستیوں وادیوں میں آج بھی صبح و شام یاد کیے جاتے ہیں اور ان کی عطا کردہ آیات، ملفوظات اوراد اور مناجات لوگوں کی زندگی کا حصہ ہیں۔ نعت رسول مقبول حضور اکرمؐ کی یاد اور محبت کا ذریعہ ہے کیا کسی بڑے سے بڑے فلسفی اور سائنس دان کے لیے تعریف و ستائش پر مبنی شاعری کے دریا تاریخ کے کسی دور میں بہائے گئے؟ یہ فرق پیغمبر، فلسفی اور سائنس دان کے فرق کو واضح کر دیتا ہے۔

جدید سائنس کی غیر معمولی ترقی: اہم وجہ

جدید سائنس بندگی کے تصور کو ختم کر کے خدائی کا دعویٰ کرتی ہے۔ فوکو نے کہا تھا انسان تو اٹھارہویں صدی میں پیدا ہوا ہے۔ نطشے نے اعلان کیا تھا خدا مر گیا ہے۔ فوکالٹ نے اس پر اضافہ کیا کہ انسان بھی مر گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب دل مر جائے تو زندگی کی رونقیں اور انفس و آفاق کی حقیقتیں بھی مر جاتی ہیں اور انسان فی الحقیقت مر جاتا ہے۔ عقل کا مقام دل ہے۔ یہ دل زندہ ہو تو مابعد الطبیعیاتی حقائق بھی سمجھ میں آتے ہیں۔ مغربی تہذیب اور جدید سائنس نے انسان سے اس کا قلب چھین لیا ہے مادی ترقی کرنے والی ہر قوم تمام گناہوں میں مبتلا ہے کیوں کہ زندگی کا مقصد صرف لہو و لعب ہے اور اس کے لیے ایجادات کا سیل رواں چلا آ رہا ہے۔ مغلوں کے زمانے میں تمام توجہ فرج اور شکم پر تھی، لہٰذا دنیا میں سب سے عمدہ کھانے اور حکیموں کے کشتے ہندوستان سے مخصوص ہیں۔ یونانیوں کے یہاں حسن اور فکر و فلسفے کو مرکزی مقام حاصل تھا لہٰذا ان کی تہذیب، علوم، فلسفے اور جمالیات میں اس کا کمال ملتا ہے۔ وہ عمارتیں تیار کرتے تو اس کے ستون بلندی پر ٹیڑھے کر دیتے تاکہ وہ نیچے سے سیدھے نظر آئیں اور عمارت کی خوبصورتی میں کمی نہ آئے، ان کی یہ نزاکت حسن ان کی زندگی کے ہر شعبے میں ملتی ہے، لیکن یہ نزاکت انھیں تاریخ کا عبرت ناک ورق بننے سے نہ بچا سکی یہ وہی نزاکت، نفاست اور رعنائی خیال تھی جس کے بارے میں کہا گیا تھا:

Tarikh-e-Alam Correction

ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا
ڈال دو سایہ اپنے آنچل کا

مغربی جاہلیت: دنیا کی منفرد جاہلیت

ایام جاہلیت میں عربوں کا مرکز توجہ خطابت شاعری اور حرب وضرب کے مضامین تھے لہٰذا اس معاملے میں کوئی ان کا مدمقابل نہیں ہے۔ مغرب نے دنیا کو مقصد بنالیا ہے۔ تاریخ انسانی میں دنیا میں کسی قوم تہذیب تمدن امت نے اتنی ترقی نہیں کی جیسی ترقی مغرب کو نصیب ہوئی ہے لیکن یہ ترقی روحانیت کا زوال ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کسی تہذیب وتمدن نے دولت اور ارتکاز سرمایہ حرص وحسد کی عالمگیریت لذت دنیا، ارتکاز مال، خواہش نفس کو زندگی کا مقصد، مقصد بندگی اور عبادت کا مقام نہیں دیا۔ اس لیے دنیا کی کسی تہذیب نے ایسی ترقی نہیں کی جو مغرب کے حصے میں آئی ہے کیونکہ مغرب کی الہیات مابعد الطبیعیات علمیات تقسیم علوم سب کچھ الگ ہے اس لیے دنیا کی تاریخ میں مغرب سب سے منفرد جاہلیت خالصہ ہے جس سے مکالمہ ممکن ہی نہیں۔

سائنسی ترقی کے خواب: دوسو سال گزر گئے

سائنس اور ٹیکنالوجی کی عظمت کے گن گانے والے اس انتظار میں ہیں کہ کسی سہانی صبح انھیں سائنس وٹیکنالوجی کے تمام اسرار و رموز معلوم ہوجائیں گے یہ اسرار معلوم ہوتے ہی ترقی کا پہیہ گردش میں آجائے گا، پیداوار بڑھے گی، برآمدات میں اضافہ ہوگا، آمدنی بڑھے گی، معیار زندگی بڑھے گی، غربت ختم ہوگی، ہر شخص کو یکساں حق ملنے لگے گا، دولت آئے گی تو ایجادات کا انقلاب آئے گا۔ ہر شخص سائنس دان بن جائے گا، تخلیقی قوت کا سرچشمہ پھوٹ پڑے گا۔ اس سرچشمے سے تہذیب، تمدن، تاریخ کائنات سب پر مسلمانوں کی حکمرانی ہوگی۔ یہ خواب مصطفیٰ کمال اتاترک نے ترکی کے لیے دیکھا تھا، آج سو سال کے بعد ترکی کہاں کھڑا ہے۔ جدید سائنس میں اس کا مقام کیا ہے؟ کیا پتلون ٹائی، پینٹ پہننے شرٹ اور سور کھانے سے ترکی سائنس وٹیکنالوجی میں مغرب کے برابر آگیا۔ یہی خواب جمال عبدالناصر نے مصر میں دیکھا تھا۔ لیکن پچاس سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود مصر کا حال کیا ہے؟ مہاتیر محمد نے یہی خواب امت کو دکھانے کی کوشش کی لیکن ملائیشیا کا سائنس وٹیکنالوجی میں کیا مقام ہے؟ اس کی پوری معیشت نقالی اور ادھار کی معیشت ہے، غیر ملکی ٹیکنالوجی ان کے ملک میں سرمایہ دار لے آئے، چیزیں تیار کرکے بیچنا شروع کیں، دولت آنے لگی، پوری معیشت برآمدات پر منحصر ہے، آج امریکہ برآمدات بند کردے تو ملائیشیا کی معیشت لمحوں میں مرجائے۔ ایشیا کے اس کاغذی شیر کی حالت چند سال پہلے اسٹاک مارکیٹ کے بحران کے موقع پر قابل رحم تھی، چند غیر ملکی سرمایہ کاروں نے اسٹاک مارکیٹ سے اپنا سرمایہ نکال لیا تو ملائیشیا کی عظیم الشان معیشت لمحوں میں تحلیل ہوگئی جس طرح پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔

کیا حساس شعبوں میں داخلہ مل جاتا ہے!

Tarikh-e-Alam Correction

سائنس وٹیکنالوجی کے مالک ممالک مسلمانوں کو خاص شعبوں میں داخلہ ہی نہیں دیتے، انتہائی حساس نوعیت کے شعبوں میں مسلمانوں کے داخلے کی اجازت ہی نہیں مثلاً جینیٹکل انجینئرنگ، خلائی سائنس، نیوکلیئر طبیعیات جیسے حساس مضامین میں مسلمانوں کو داخلہ نہیں مل سکتا۔ عالم اسلام پر سائنس وٹیکنالوجی کے دروازے بند ہیں تو اب یہ علوم کیسے حاصل کیے جائیں، ان کے حصول کی آرزو میں وقت گزارا دیا جائے یا دنیا میں زندگی بسر کرنے کے اور بھی طریقے ہیں انبیاء نے اپنے زمانے میں اپنے عہد کی غالب تہذیبوں، عاد ثمود، لوط، فراعنہ، سباء کو زیر کرنے کے لیے پہلے ان کی سائنس وٹیکنالوجی حاصل کی یا مبارزت کا آغاز دعوت دین سے کیا؟ انبیاء اگر عصر حاضر کے جدیدیت پسندوں، نادان مفکرین کے طرز زندگی پر چلتے تو انھیں کبھی کامیابی نصیب نہ ہوتی، کامیابی کا طریقہ بھی ایک ہی ہے حق بات پیش کرو اور اپنے عمل سے اس کی شہادت دو، پھر اس شہادت کا حق ادا کرو۔

سائنسی ترقی کا انتظار: نفسیاتی مرض

سائنس وٹیکنالوجی کے انتظار نے امت مسلمہ کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے جو عجیب جھنجھلاہٹ کے عالم میں ہے ہر جدید مفکر ترقی کا ایک ہی راستہ بتاتا ہے۔ سائنسی انقلاب لیکن بے چارے یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ انقلاب کہاں سے برپا ہوگا۔ اس کا دوسرا جواب دیا جاتا ہے کہ آزادی فکر، حریت فکر کیوں کہ اس سے ترقی اور ایجادات ہوتی ہیں۔ لہٰذا تقلید ختم کی جائے، اجتہاد شروع کیا، اجماع سے آزادی حاصل کی جائے، قرآن وسنت کی تشریح کا حق سب کو دیا جائے، اب ان سے پوچھا جائے کہ سائنس وٹیکنالوجی کا اس سے کیا تعلق ہے۔ آخر ترکی اور مصر نے ان تمام چیزوں سے چھٹکارا حاصل کرلیا تو ان کے ہاں سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی کیوں نہ ہوسکی؟ علی گڑھ یونیورسٹی سے کوئی آئن اسٹائن کیوں نہ نکلا تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ بے چارے اس سوال کا جواب بھی نہیں دے سکتے کہ چین، روس، ایران کے صفوی دور حکومت میں، مصر میں، بابل میں، نینوا میں، موہنجودڑو میں ہڑپہ میں ٹیکسلا میں، یونان میں کیا جمہوریت تھی کیا اظہار رائے کی آزادی تھی؟ کیا حریت فکر حاصل تھی؟ وہاں آمریت، استبداد، جبر کے باوجود اور جمہوریت کے بغیر ترقی کیسے ہوگئی؟ جس زمانے کو اسلامی تاریخ کا سنہری دور کہتے ہیں معتزلہ اور اندلس کا دور وہاں حریت فکر کیا تھی؟ معتزلہ نے سو سال تک مظالم کا بازار گرم رکھا، عباسی خلفاء کے زمانے میں جمہوریت اور پارلیمینٹ نہ تھی۔ پھر بھی ان کے زمانے میں ترقی کا سفر کیسے جاری رہا؟

محمود احمد غازی صاحب صدر نشین انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد نے اپنی ایک اہم تقریر میں عالم اسلام کی جانب سے سائنس وٹیکنالوجی کے حصول کی خواہش کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات فرمائے ملاحظہ کیجیے:

کیا ہم مغرب سے صرف سائنس لے سکتے ہیں!

تیسرا رویہ جو آغاز میں بہت کمزور اور تقریباً برائے نام تھا، اب دنیائے اسلام میں اس نے اپنی جگہ بنالی ہے اور مسلمان مفکرین اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد اس کی نمائندگی کرتی ہے یہ وہی "خذ ما صفا ودع ما کدر" کا رویہ ہے کہ مغربی تہذیب کے مثبت پہلوؤں سے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہیے، ان کی سائنس، ان کی ٹیکنالوجی، ان کی سہولتیں، یہ مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہونے چاہئیں اور ان کو اپنانا چاہیے، جب کہ ان کے جو منفی پہلو ہیں مثلاً اخلاقی اقدار کے متعلق ان کے خیالات ونظریات، یا سیکولرازم اور لا مذہبیت، یا مرد وزن کی آزادی کا تصور جو ان کے ہاں ہے، یہ چیزیں دنیائے اسلام کو قبول نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ رویہ پہلے بہت محدود تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور آج دنیائے اسلام کی ایک بڑی تعداد اس رویے پر قائم محسوس ہوتی ہے۔

مغرب کا اعلان: صرف سائنس نہیں ملے گی

۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء میں مذکورہ اجتماع میں جب میں نے ایک سوال کے جواب میں مذکورہ تجزیہ تفصیل سے بیان کیا تو اس کے جواب میں اجتماع کے شرکاء نے، جن میں فرانسیسی نمائندے بھی شامل تھے، جرمن بھی شامل تھے اور آسٹریلیا کے لوگ بھی تھے، تقریباً بالاتفاق مجھے Controvert کیا اور کہا کہ ٹھیک ہے، آپ اس رویے کو درست سمجھتے ہوں گے لیکن مغرب ان شرائط پر اپنی ٹیکنالوجی اور اپنی تہذیب وتمدن سے آپ کو استفادہ کرنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں ہوگا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت پہلی مرتبہ یہ پہلو میرے سامنے آیا۔ اس سے پہلے میرا ذہن اس طرف متوجہ نہیں تھا کہ آیا مغرب بھی اس بات پر تیار ہے یا نہیں کہ آپ کی شرائط پر اپنی ٹیکنالوجی اور تہذیب سے آپ کو استفادہ کرنے کی اجازت دے۔ کم از کم اس اجتماع کے شرکاء کا جواب بالاتفاق یہی تھا کہ مغرب آپ کو اس کی اجازت نہیں دے گا۔ یہ ایک پورا پیکج ہے جس کو آپ کو جوں کا توں قبول کرنا پڑے گا اور اس میں وہ آپ کو اخذ وانتخاب Pick and Choose کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس وقت میں نے یہ سمجھا کہ یہ دانش ور اور مفکرین شاید اپنی Main Stream کی ترجمانی نہیں کر رہے اور مغربی تہذیب میں جو فیصلہ کن قوتیں ہیں، ان کی زبان نہیں بول رہے۔ جیسے ہر شخص اپنی تہذیب کے بارے میں ایک عصبیت کا رویہ رکھتا ہے، یہ بھی اپنی تہذیب کے بارے میں ایک عصبیت اور حمیت رکھتے ہیں اور اس عصبیت کی وجہ سے یہ بات ان کو پسند نہیں آئی کہ ہم ان کی تہذیب کے بعض پہلوؤں کو منفی قرار دے کر مسترد کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ یہ پوری دنیائے مغرب کا ایک طے شدہ فیصلہ ہے کہ پوری دنیا اسلام پر مغرب کے ایجنڈے کو سو فی صد مسلط کر دیا جائے۔

کیا سائنس وٹیکنالوجی کے انتظار میں عمر بسر کر دی جائے؟

مسلمان دانشور جو سمجھتے ہیں کہ مغرب کی مثبت چیزوں سے اتفاق کریں اور منفی چیزوں کو مسترد کر دیں، وہ کس حد تک اس میں کامیاب ہوں گے اور مستقبل کیا خبر لائے گا، یہ اللہ ہی کو بہتر معلوم ہے، لیکن اس رویے

Tarikh-e-Alam Correction

کی کامیابی کا سارا دارومدار مسلمانوں کے فہم صحیح پر، مسلمانوں کی بصیرت اور ان کے عزم وارادے پر ہے، عالم اسلام جدید سائنس وٹیکنالوجی حاصل کرنے کا جو خواب دوسو برس سے دیکھ رہا ہے۔ اس کی عملی تعبیر ڈاکٹر محمود غازی کے اس بصیرت افروز تبصرے میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مغرب کے اس رویے کے باوجود عروج واقبال کے لیے مسلمان اگر سائنس وٹیکنالوجی کا انتظار کریں گے تو زوال کی سیاہ رات اور گہری ہو جائے گی۔ مغرب سے اس کی سائنس لینے کا خواب کبھی پورا نہ ہوسکے گا۔ عروج واقبال کا صحیح طریقہ کیا ہے اور صحیح تصور کیا ہے اس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے لیکن عروج زوال کے موضوع پر گہری نظر ضروری ہے۔

مسلمانوں کے زوال کا سبب:

عمومی طور پر دنیا بھر میں مسلمانوں کے عروج وزوال کے پیمانوں کو خالص مادی نقطہ نظر سے جانچا جاتا ہے جس کا نتیجہ پے در پے شکست ہے۔ مسلمانوں کا زوال اس دن شروع ہو گیا تھا جس دن انھوں نے دلوں کو تسخیر کرنے کے لیے دعوت وتبلیغ کے اصل فریضہ سے ہاتھ اٹھالیا اور تسخیر کائنات کشور کشائی اور جہاں آرائی کو اصل فریضہ حیات سمجھ لیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب دعوت وتبلیغ کے کام سے عدم دلچسپی کا رویہ تھا۔ قرآن اور سنت سے عروج کا جو مفہوم ملتا ہے وہ سورۃ نصر میں واضح کر دیا گیا ہے ''فی دین اللہ افواجاً'' اسلام اور امت مسلمہ روئے زمین پر قبضہ کرنے، سروں کے مینار کھڑے کرنے، کشتوں کے پشتے لگانے اور کائنات کو تسخیر کرنے کے لیے مامور نہیں کی گئی، اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو تسخیر کائنات کے لیے نہیں عبادت رب کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس امت کا اصل کام دعوت وتبلیغ ہے۔ یہ دعوت ہی اس امت کی مخفی اور حرکی توانائی کی روح ہے۔ اس دعوت کی راہ میں درپیش ہر رکاوٹ کے خلاف حالات وزمانہ کی رعایت اور قرآن وسنت میں طے شدہ اصولوں کے مطابق اجتہاد، جہاد اور قتال کی مکمل اجازت ہے۔ یہ امت بنیادی طور پر امت وسط ہے اس کا اصل کام دعوت ہے، اقتدار، حکومت، طاقت، شان وشوکت اگر دعوت کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور لوگ دین کے دائرے میں داخل نہ ہوں تو فتوحات کا کیا فائدہ؟ دعوت کا یہ عمل اس بے پناہ محبت اور شفقت کے بطن سے پھوٹتا ہے جس میں داعی مدعو کی خیر خواہی کے لیے ہمہ وقت بے قرار رہتا ہے۔ اس کی واحد آرزو یہی ہوتی ہے کہ اس کے عزیز، اقارب اطراف وجوانب کے سب لوگ جنت میں داخل ہو جائیں یہ آرزو اس کے اندر ایک ایسی تڑپ گداز کشش تب وتاب، سوز وساز اور بے قراری پیدا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رسول رحمتؐ سے کہنا پڑتا ہے کہ ''آپ داروغہ نہیں ہیں کیا آپ اپنی جان کو ان کے غم میں گھلا دیں گے''۔ محبت کا یہ جھرنا جس قلب سے پھوٹتا ہے وہ قلب دنیا کے پورے قالب کو بدل ڈالتا ہے وہ خلق کے لیے ریشم کی طرح نرم اور رزم حق وباطل میں فولاد کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔

Tarikh-e-Alam Correction

عروج وزوال کا اسلامی تصور:

دلوں کو فتح کرنا ہی عروج ہے اگر ساری کائنات تسخیر ہو جائے اور فتح بھی ہو جائے لیکن کسی ایک فرد کا دل نہ بدلے اور وہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو تو یہ عروج نہیں زوال ہے۔ یہ عروج طاقت سے نہیں محبت کی کیفیت سے عطا ہوتا ہے۔ خلق سے محبت ایسی محبت جو مدعو کو فتح کر لے یہ فتح دائمی ہوتی ہے۔ جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ بھی ہے اور فاتح آخرت بھی۔ عباسی عہد سے لے کر آج تک پوری دنیا کی اسلامی تاریخ میں کوئی ایسی تحریک نہیں ملتی جس نے غیر مسلموں میں دعوت دین اور تبلیغ کو اپنی تحریک کا اصل ہدف قرار دیا ہو، اس وقت دنیا بھر میں کام کرنے والی تمام تحریکیں یا تو مسلمانوں کو مسلمان رکھنے کی تحریکیں ہیں یا محض اصلاح اور احیاء کی تحریکیں ہیں۔

دعوت اور احیاء کی تحریکوں کا فرق:

دعوت و اصلاح کی تحریکیں اور احیاء کی تحریکوں میں ایک بنیادی نوع کا فرق ہے۔ دونوں تحریکوں کی اہمیت اپنی جگہ لیکن دونوں کا طریقہ کار مختلف ہے۔ احیاء کی تحریکیں نعرہ مستانہ، ہمت مردانہ اور جرأت رندانہ پر یقین رکھتی ہیں۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح آتی اور چھاتی چلی جاتی ہیں۔ ان کے مثبت اثرات بھی ہوتے ہیں، منفی اثرات بھی، اس کے برعکس دعوت و تبلیغ کی تحریکوں کا کام، کام کا اسلوب اور معاشرے میں اثر پذیری کا طریقہ احیائی و اصلاحی تحریکوں سے الگ ہوتا ہے، وہ شبنم اور دیمک کی طرح کام کرتی ہیں۔ شبنم کی آواز کبھی کسی نے سنی ہے؟ لیکن صبح طلوع فجر کے وقت ہر پھول، شاخ، پتہ، گھاس کی پتی زمین کا ذرہ ذرہ شبنم سے تر بتر ہوتا ہے۔ صبح سویرے شبنم روئے زمین کا منہ دھلاتی ہے اور اس زمین پر موجود ہر شے کو اپنے وجود سے تر و تازہ کر دیتی ہے۔ دیمک اپنا کام رفتہ رفتہ دکھاتی رہتی ہے، جب کام مکمل ہو جاتا ہے تو وہ نمودار ہوتی ہے۔ اس کے طلوع کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس نے کام اب شروع کیا ہے، جب وہ عمارت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیتی ہے تو نمودار ہوتی ہے اور اپنے توانا وجود کا اعلان کرتی ہے۔ دعوت کی تحریکیں نیچے سے اوپر کی طرف جاتی ہیں جبکہ احیائی تحریکیں اوپر سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہیں، ایک سفر فرش سے شروع ہوتا ہے دوسرا سفر عرش سے دعوتی تحریکیں فرد کو بدلتی ہیں پھر معاشرے کو بدلتی ہیں، دوسری تحریکیں حکومت کو بدلنا چاہتی ہیں دونوں میں تطابق کی ضرورت ہے۔ دعوت دین کا کام نہایت صبر و تحمل، عرق ریزی، قربانی اور صلہ و ستائش کی تمنا سے بے پروا ہو کر محض آخرت کی کامیابی کے لیے ہوتا ہے۔ یہ دنیا اور اس دنیا کے علائق سے داعی بے پرواہ ہوتا ہے۔ وہ حاضر و موجود سے بے زار ہوتا ہے۔

اسے تمکن فی الارض نعروں اور اقتدار کے لیے غیر اخلاقی رسہ کشی کے نتیجے میں نہیں انعام کے طور پر عطا کیا جاتا ہے جس کا وعدہ اللہ نے ان بندوں سے کیا ہے جو ''صالح ہیں'' دعوت کی تحریکیں دین کا

بنیادی کام کرتی ہیں، وہ قربانی لینے کے بجائے قربانی دینے کو اہم سمجھتی ہیں، وہ انبیاء کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ''لوگوں سے اجر کی طلب گار نہیں ہوتیں'' دعوت اور اجرت کی طلب قرآن کی نظر میں دو متضاد نقطہ نظر ہیں۔ داعی حریص اور منصب کا طالب نہیں ہوتا وہ کسی کا حریف نہیں ہوتا وہ ہر ایک کا خیر خواہ ہوتا ہے، اس کی مثال سورج اور چاند کی طرح ہوتی ہے جو بلاتفریق اپنی روشنی سے کافر و مومن کو یکساں طور پر مستفید کرتے ہیں۔ اس لیے داعی دلوں کو فتح کرتا ہے اس کا اقتدار دائمی ہوتا ہے۔ اسے عارضی اقتدار بھی عطا ہوتا ہے۔ سیاست دان اقتدار کو فتح کرتا ہے یہ عارضی ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ بھرپور کوشش کرتا ہے۔ عالم اسلام کی تحریکیں تبلیغ دین کی تحریکیں نہیں ہیں ان کے مخاطب مسلمان ہیں، غیر مسلم اور کفار نہیں۔ ان معنوں میں دنیا بھر میں مسلمانوں کا زوال یہی تھا کہ اقتدار ملنے کے بعد وہ فریضہ دعوت سے غافل ہو گئے اور عروج کے اس تصور کو بھول گئے جو سورہ نصر میں بیان ہوا ہے کہ ''لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ عروج یہی ہے کہ دنیا کے تمام لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر جنت کے حقدار ہو جائیں۔ اگر یہ عروج حاصل نہ ہوا تو زوال مقدر ہے لہٰذا طاقت ور ہونے کے باوجود بہت سی مسلمان ریاستیں اصلاً زوال پذیر ریاستیں ہیں عروج سائنس کی ترقی اور بلند معیار زندگی سے نہیں ملتا، عروج کا اسلامی تصور یہ ہے کہ کتنے لوگ آخرت میں کامیابی کے حقدار ٹھہرے اور اس کا مادی مظہر یہ ہے کہ کتنے لوگوں نے دل و جان کے ساتھ دین کی دعوت کو قبول کیا۔ افسوس کہ عصر حاضر کے بیشتر مسلم مفکرین کے یہاں عروج کا تصور محض مسلمانوں کا اقتدار سائنسی اور معاشی ترقی رہ گیا ہے۔ مادیت کے تصور میں آخرت بھرتی کے طور پر شامل ہے۔ مادی شان و شوکت کے لحاظ سے اندلس سب سے مثالی ریاست تھی لیکن روحانی لحاظ سے یہ کمزور ترین ریاست تھی لہٰذا چودھویں صدی کے اختتام سے پہلے اس ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔ ریاست عیسائیوں اور یہودیوں کو اخلاقی و روحانی طور پر متاثر کرنے میں ناکام رہی لہٰذا اس ناکامی کے نتیجے میں ریاست تہس نہس ہو گئی۔ اقبال کی نظم مسجد قرطبہ اسی غم و اندوہ کا شعری اظہار ہے۔

مسلمان غلامی کی زندگی کیسے بسر کریں؟

اس وقت مسلمان پوری دنیا میں مغرب کی ذہنی فکری، نظریاتی، علمی، عملی غلامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ صورت حال گزشتہ ایک صدی سے جاری و ساری ہے۔ کیا مسلمان یا عالم اسلام غلامی کی زندگی پر قانع رہ سکتا ہے۔ یہ سوال شورس کاشمیری نے عطاء اللہ شاہ بخاری سے پوچھا تو شاہ جی نے بتایا کہ وہ جب جیل میں تھے ایک انقلابی دہشت گرد شیر جنگ نے شاہ جی سے قرآن پڑھنے کے بعد پوچھا کہ شاہ صاحب کیا وجہ ہے کہ قرآن کا اثر مسلمانوں کے مزاج پر، مسلمانوں کی طبیعتوں پر، مسلمانوں کے دلوں پر اور مسلمانوں کے دماغوں پر نہیں ہوتا؟ وہ کہنے لگا کہ شاہ صاحب! میں نے سارا قرآن پڑھا، اس میں ہر بات آ گئی، اس میں حکایتیں بھی آ گئیں، اس میں

Tarikh-e-Alam Correction

داستانیں بھی آ گئیں، اس میں فرائض بھی آ گئے، اس میں عبادات بھی آ گئیں، اس میں اعتقادات بھی آ گئے، اس میں معاملات بھی آ گئے، اس میں قوموں کا انجام بھی آ گیا، اس میں تاریخ بھی آ گئی، اس میں لیل ونہار کے طلوع و غروب کے سلسلے میں آ گئے، اس میں نشیب وفراز کے قوانین بھی آ گئے، اس میں حکومت بھی آ گئی، مملکت بھی آ گئی، قومیں کس طرح بنتی ہیں، قومیں کس طرح زندہ رہتی ہیں، کس طرح جوان ہوتی ہیں، کس طرح مٹتی ہیں، کس طرح پروان چڑھتی ہیں، کس طرح ان پر کہولت آتی ہے، کس طرح ان پر بڑھاپا آتا ہے اور کس طرح وہ گور کنارے چلی جاتی ہیں۔ یہ سب چیزیں آ گئیں، لیکن ایک بات نہیں آئی کہ مسلمان اگر غلام ہو جائیں تو زندگی کس طرح بسر کریں، ایک تو یہ بات مجھ کو سمجھ میں نہیں آئی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں نے تمام کتابیں پڑھی ہیں وہ کوئی نہ کوئی معبود پیش کرتی ہیں لیکن اس کتاب میں ایک ہی معبود ہے جسے آپ کا پیغمبر کہتا ہے کہ وہ ان دیکھا معبود ہے۔ جھکنا ہے تو اس کے سامنے جھکو، سجدہ کرنا ہے تو اسے کرو۔ یعنی قرآن نہ تو کوئی دوسرا معبود پیدا کرتا ہے اور نہ مسلمان کو قرآن یہ سکھاتا ہے کہ غلام ہو جاؤ تو زندگی کس طرح بسر کرو؟ تو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مسلمان غلام کیوں ہے؟

شاہ جی نے اس کا جواب یہ دیا کہ ''میں اس وقت بھی عاجز آ گیا تھا اور اسے کوئی جواب نہ دے سکا تھا کیونکہ مجھے اپنی خانہ ویرانی کا احساس تھا اور آج تم نے یہ سوال کیا ہے تو مجھے آج بھی وہی احساس ہے۔

مسلمان غلام کیوں بنتا ہے اور غلام کب بنتا ہے؟

اس سوال پر ہم دوسرے پہلو سے غور کرتے ہیں وہ یہ کہ اسلام نے کن لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت دی ہے۔ رسول اللہ اور صحابہ کرام نے کن لوگوں کو غلام بنایا۔ تاریخ، قرآن کریم اور سنت رسول کریمؐ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان جب جرم عظیم شرک کا مرتکب ہوتا ہے اور اپنے آقا مالک حقیقی کو پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے اس کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی رسالت بھی قبول نہیں کرتا۔ سرکشی اور ظلم میں اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ صرف وقت کے پیغمبر کی دعوت کو جھٹلانے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس دعوت کو اور دعوت کے پورے قافلے کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایک ایسا عبد جو معبود حقیقی کی غلامی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اس قابل ہے کہ وہ بندوں کی غلامی میں دے دیا جائے۔ جو اللہ کی غلامی بخوشی قبول کرنے سے انکار کر دے وہ اللہ کے بندوں کی غلامی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس غلامی سے اسے اسی وقت رہائی مل سکتی ہے جب وہ اللہ کی کبریائی قبول کرے پھر اس کے عروج کا ستارہ چمکنے لگتا ہے۔

اب اس سوال پر غور کیجیے کہ مسلمان اگر غلام ہو جائیں تو زندگی کس طرح بسر کریں قرآن اس بارے میں کیا بتاتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ مسلمان پر غلامی کی نوبت کب آتی ہے؟ مسلمان اسی وقت غلام بن جاتا ہے جب وہ

کائنات کے آقا و مالک کی غلامی سے عملاً انکار کر کے خواہشات نفس کی غلامی اختیار کر لیتا ہے۔ یہ دنیا اس کی لذتیں اس کی نعمتیں اس کا ہدف بن جاتی ہیں۔ جب وہ خواہشات کی غلامی اختیار کر لیتا ہے اور الہ واحد کے بجائے نفس کے الہ کی پرستش میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر دوسری قوموں کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن کریمؐ نے اس غلامی کے کئی مرقعے اپنی آیات میں پیش کیے ہیں۔ ایسے شخص کو گدھے سے تشبیہ دی ہے جو دین کا علم رکھتا ہے، اس کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا۔ قرآن اسے کتے سے بھی تشبیہ دیتا ہے۔ قرآن کریم اس عالم کا بھی تذکرہ کرتا ہے جو نفس پرستی میں اس قدر مبتلا ہوا کہ تباہ کر دیا گیا۔ نفس کے قفس میں قید ہونے والا دائمی غلام بن جاتا ہے۔ یہ غلامی جسمانی ہی نہیں فکری، روحانی، علمی، عقلی اور عملی بھی ہوتی ہے۔ اس غلامی سے بچنے اور غلامی میں زندگی بسر کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے جو قرآن نے بہت خوبصورتی سے بتا دیا ہے۔

''اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے۔ [القرآن] اگر مسلمان دل کی آنکھ سے یہ جان لیں کہ اللہ کے غضب سے بچنا اور غیروں کی غلامی سے نکلنا ہے تو سائنس و ٹیکنالوجی کی ذہنی غلامی سے نکل کر اللہ کی حقیقی غلامی میں آ جائیں۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک اسرائیلی سے کہا تھا کہ اگر تیر انداز کے تیروں سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی پناہ میں آ جاؤ۔ اللہ کی پناہ سے زیادہ طاقت ور پناہ کس کی ہے؟ وہ لوگ جو تاریخ میں کبھی جہاں پناہ کہلاتے تھے زوال کے دنوں میں ادھر اُدھر پناہ ڈھونڈتے پھرتے تھے اور وہ لوگ جو زندگی میں اللہ کی غلامی ترک کر کے سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے تھے۔ مرنے کے بعد بھی سیاہ و سفید کے مالک رہے۔ سفید کفن اور سیاہ تاریخ۔

جدیدیت پسندوں کے یہاں آخر کار مایوسی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ سائنسی ترقی کا خواب تو کبھی پورا نہ ہوگا اس صورت حال کا حل صرف اسلام کے پاس ہے اور اس حل کی کلید چراغ امید کو روشن کر کے حاصل کی جا سکتی ہے۔

قرآن: اہل ایمان مایوسی کفر ہے

پھر تم کو کیا ہو گیا کہ تم مایوس ہو رہے ہو اور کیوں تم نے خدا کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے۔ [۱۹:۷۸]

تم کہتے ہو کہ اب ہمارے لیے مایوسی کے سوا کچھ نہیں حالانکہ ایک مسلم دل کے لیے ناامیدی سے بڑھ کر کوئی کفر نہیں۔ [۴۱:۵۲]

یہ تو تم نے ایسی بڑی سخت بات منہ سے نکالی ہے جس کی وجہ سے عجب نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزے ریزے ہو کر زمین کے برابر ہو جائیں۔ [۱۹:۸۹:۸۰]

خدا کی رحمت سے کافروں کے سوا اور کون مایوس ہو سکتا ہے۔ [۵٦:۱۵]

فاما الانسان اذا ما آیتله ربه فاکرمه و نعمه فیقول ربی اکرمن o واما اذا ما أبتله

ساحل جولائی ۲۰۰۵ء

فقدر علیه رزقه فیقول ربی اهانن o [۸۹:۱۵:۱۶]

انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا پروردگار اس کے ایمان کو اس طرح آزماتا ہے کہ اس کو دنیا میں عزت اور نعمت عطا فرماتا ہے تو فوراً خوش ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا پروردگار اعزاز واکرام کرتا ہے اور جب اس کے ایمان کو کسی آزمائش میں ڈال کر اس طرح آزماتا ہے کہ اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے یعنی مصیبت میں ڈال کر دیتا ہے تو پھر معاً مایوس ہو کر کہنے لگتا ہے کہ میرا پروردگار تو مجھے ذلیل کر رہا ہے اور میرا کچھ خیال نہیں کرتا۔ [۸۹:۱۵:۱۶]

سب سے خطرناک گمراہی: مایوسی کا ہجوم

سب سے زیادہ خطرناک گمراہی انسان کی وہ مایوسی ہے جو مصائب وآلام کا ہجوم دیکھ کر اپنے دل میں پیدا کر لیتا ہے اور اس طرح خود اپنے ہاتھ اپنے مستقبل کے لیے نامرادی وناکامی کی بنیاد رکھ دیتا ہے۔ مایوسی سے بڑھ کر کوئی شے انسانیت کے لیے قاتل ومہلک نہیں اور دنیا کی تمام کامرانیاں صرف امید پر موقوف ہیں۔ یہ امید ہی ہے جس نے زمینوں پر قبضہ کیا، پہاڑوں کے اندر سے راستہ پیدا کیا، سمندر کی قہاری کو مغلوب کیا ہے اور جب چاہا ہے اس میں اپنی سواری کے مرکب چلائے ہیں اور جب چاہا اس کے کناروں کو میلوں اور فرسنگوں تک خشک کر دیا ہے۔ پھر امید ہی ہے جس نے مردہ قلوب کو زندہ کیا ہے۔ بستر مرگ سے بیماروں کو اٹھایا، ڈوبتوں کو کناروں تک پہنچایا، بچوں کو جوانی کی سی تیزی سے دوڑایا ہے اور بوڑھوں کو جوانوں سے زیادہ قوی وطاقتور بنا دیا۔ جب کہ قوتیں جواب دے دیتی ہیں جب کہ زمانہ منہ پھیر لیتا ہے، جب کہ زمین کے کسی گوشہ سے صدائے ہمت نہیں آتی اور جب کہ تمام اعضائے عمل جواب دے دیتے ہیں تو امید کا فرشتہ مسکراتا ہوا آتا ہے، اپنے پروں کو کھولتا ہے اور اس کے سایہ میں لے کر قوت وطاقت، ہمت ومستعدی وچستی وچالاکی کی ایک روح تازہ دلوں میں پیدا کر دیتا ہے۔

فلاح کا مدار اعمال: اعمال کے لیے امید

دنیا کی کامیابی اعمال کا نتیجہ ہے اور اعمال کے لیے پہلی چیز امید ہے۔ جب تک انسان کے اندر امید قائم ہے، مصیبتوں اور ہلاکتوں کے پہاڑ بھی سامنے آ کھڑے ہوں تو بھی اس کو شکست نہیں دے سکتے۔ اگر خون اور اس کا دوران انسان کی جسمانی حیات کے لیے ضروری ہے تو یقین کیجیے کہ اخلاقی وملی حیات کے لیے امید اس کے اندر روح کی طرح ہے۔ لیکن جہاں روح دل سے نکلی۔ پھر جسم انسانی کے لیے قبر کے سواء کہیں بھی کوئی ٹھکانا نہیں۔ ایک شخص جب مایوس ہو گیا جب اس نے یقین کر لیا کہ اب اس کے لیے دنیا میں کچھ نہیں، جب اس نے فیصلہ کر لیا کہ خدا اسے کچھ نہ دے گا تو ظاہر ہے کہ اس کا دماغ کیوں سوچے، دل میں امنگ کیوں پیدا ہو، ہاتھ کیوں ہلے اور پاؤں بڑھنے کے لیے کیوں متحرک ہوں۔

زندہ امتوں کا دل: امید کا دائمی آشیانہ

Tarikh-e-Alam Correction

امتوں کی زندگی کی ایک بہت بڑی علامت یہ ہے کہ ان کا دل امید کا دائمی آشیانہ ہوتا ہے اور خواہ ناکامی اور مصائب کا کتنا ہی ہجوم ہو مگر امید کا طائر مقدس ان کے دل کے گوشے سے نہیں اڑتا۔ وہ دنیا کو ایک کارگاہ عمل سمجھتے ہیں اور امید کہتی ہے کہ یہاں جو کچھ ہے صرف تمہارے ہی لیے ہے۔ اگر آج تم اس پر قابض نہیں تو غم نہیں کیوں کہ عمل و جہد کے بعد کل کو وہ تمہارے ہی لیے ہونے والی ہے۔ مصیبتیں جس قدر آتی ہیں وہ ان کو صبر و تحمل کی ڈھال پر روکتے ہیں اور غم واندوہ سے اپنے دماغ کو معطل نہیں ہونے دیتے بلکہ مصیبتوں کو دور کرنے اور ان کی صفوں پر غالب آنے کی تدابیر غور کرتے ہیں۔ نامرادی ان کے دلوں کو مجروح کرتی ہے پر مایوس نہیں کرتی اور غم کے لشکر سے ہزیمت اٹھاتے ہیں، لیکن بھاگتے نہیں۔

زندگی میدان جنگ: شکست و زخم کا خوف کیوں؟

دنیا ایک میدان کارزار ہے اور جس چیز ہم عمل کہتے ہوں، دراصل یہ ایک حریفانہ کش مکش اور مقابلہ ہے۔ پس جس طرح جنگ میں رہنے والے سپاہیوں کو فتح و شکست سے چارہ نہیں وہ کبھی زخمی کرتے ہیں اور کبھی خود زخمی ہوتے ہیں۔ اسی طرح دنیا میں بھی جو مخلوق بستی ہے اسے کامیابی اور ناکامی اور فیروزمندی و نامرادی سے چارہ نہیں۔ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ ہماری تلوار اور دشمن کی گردن ہو کیوں نہ ہم اپنے سر و سینے میں بھی زخم کے نشان پائیں۔ بستر پر آرام کرنے والوں کو رونا چاہیے کہ پاؤں میں کانٹا چبھ گیا۔ لیکن سپاہی کو زخموں پر زخم کھا کر بھی اف نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس کی جگہ تو بستر نہیں، بلکہ میدان جنگ ہے۔

شکست و زخم کا خوف ہے تو میدان جنگ میں قدم ہی نہ رکھنے اور تلواروں سے بچنا چاہتے ہو تو تمہارے لیے بہترین جگہ پھولوں کی سیج ہے۔ چلو گے ٹھوکر کھاؤ گے اور لڑو گے تو زخم سے چارہ نہیں۔ پس اگر ٹھوکر لگی ہے تو آنکھیں کھولو اور بیٹھ کر رونے کی جگہ تیزی سے چلو کیوں کہ جتنی دیر بیٹھ کر تم نے اپنا گھٹنا سہلایا، اتنی دیر میں قافلہ اور دور نکل گیا۔

پھر اگر دشمن کی کاٹ نے زخمی کیا ہے تو بھاگتے کیوں ہو؟ مایوسی خودکشی ہے اور امید زندگی، زیادہ چابک دستی سے پیکار جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ کیوں کہ جب تک دوسروں کو زخمی کرتے تھے زیادہ ہمت مطلوب نہ تھی لیکن زخم کھا کر تم نے معلوم کر لیا کہ دشمن توقع سے زیادہ قوی ہے اور اب پہلے سے زیادہ ہمت اور مستعدی مطلوب ہے۔

عالم اسلام کا ہر فرد: ایک پیکر امید

ملّی زندگی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ اس کا ہر فرد ایک پیکر امید ہوتا ہے اور اپنے دل کو امید کی جگہ سمجھتا ہے نہ کہ مایوسی کی۔ لیکن اتنا ہی نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ زندہ قوموں کے لیے مایوسی کے اسباب میں امید کا پیغام ہوتا ہے اور مصیبتیں جتنی بڑھتی ہیں اتنی ہی وہ اپنی امید کو اور زیادہ محبت اور پیار سے پالتے ہیں۔

ساحل جولائی ۲۰۰۵ء

Tarikh-e-Alam Correction

مصیبتیں ان کو مایوس نہیں کرتی بلکہ غفلت سے ہوشیار کردیتی ہیں اور عبرت وتنبیہہ کی صورت میں ان کے سامنے آتی ہیں۔ وہ مصائب کے سیلاب کو دیکھ کر بھاگتے نہیں بلکہ اس راہ کو ڈھونڈ کر بند کرنا چاہتے ہیں جہاں سے اس نے نکل کر بہنے کی راہ نکالی ہے۔ پس مصائب ان کے لیے ہوجاتے ہیں اور نامرادی ان کے لیے کامیابی کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ وہ جس قدر کھوتے ہیں اتنا ہی زیادہ پاتے ہیں اور جس قدر گرتے ہیں اتنا ہی زیادہ مستعدی سے اٹھتے ہیں۔ وہی دنیا جو کل تک ان کے لیے نامرادیوں کا دوزخ تھی یکایک کامیابیوں کا بہشت بن جاتی ہے اور جس طرف دیکھتے ہیں فتح کے تخت بچھے ہوئے اور کامرانی کی نہریں بہتی نظر آتی ہیں۔ یہی بہشت امید ہے جس کے رہنے والوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ:

متکئین فیها علی الارائک لایرون فیها شمسا ولا زمریراً [۷۶:۱۳]

کامیابی وفیروزمندی کے تخت پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ غم واندوہ کی سوزش وتپش کا انھیں حس تک نہ ہوگا۔ کیوں کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے پس دنیا بھی ان کو مایوس نہیں کرتی، زندگی امید اور موت قنوط۔

امید کا اختتام: موت کا آغاز

ملی زندگی کا خاتمہ اس دن سے شروع ہوجاتا ہے جس دن کا شانہ دل سے امید کا جنازہ اٹھتا اور مایوسی کا لشکر فنا امنڈتا ہے جس فرد یا جس قوم کو مصیبتوں اور ناکامیوں کے عالم میں مایوس دیکھو۔ یقین کرو کہ اس کا آخری دن آ گیا۔ مصیبتیں تو اس لیے تھیں کہ غفلت کو شکست اور ہمت کو تقویت ہو لیکن جو لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوجاتے ہیں دنیا کے اعمال وتدابیر کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلیتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہمارے لیے دنیا میں کچھ نہیں رہا وہ تو خود اپنے لیے زندگی کے بدلے موت کو پسند کرتے ہیں۔ پھر دنیا کی کامیابی زندگی کو لڑ کر لینے والوں کے لیے ہے، مٹ جانے کے متلاشی کے لیے نہیں ہے۔

ناامید لوگ کون ہیں کیوں ہیں؟

قرآن کریم نے کیسے جامع الفاظ میں ایسے لوگوں کی حالت اور ان کی مایوسی کے نتائج کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس نے کسی چیز کی طرف اشارہ نہیں کیا مگر افسوس کہ بہت کم لوگ ہیں جو اس کی صداؤں پر کان لگاتے ہیں۔

ومن الناس من یعبدالله علی حرف فان اصابه خیر اطمان به وان اضابته فتنه القلب علی وجهه خسر الدنیا والآخرة ذالک هوالخسران المبین [۲۲:۱۱]

اور انسانوں میں بعض ایسے ہیں جو خدا کی پرستش تو کرتے ہیں مگر ان کے دلوں میں استقامت نہیں ہوتی اگر ان کو کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہوگئے، اگر کبھی مصیبت آ پڑی تو جدھر سے آئے تھے ادھر ہی کو لوٹ گئے یعنی مایوس ہوکر ایمان سے ہاتھ اٹھالیا۔ یہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے اپنی دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی اور یہی سب

سے بڑا اور صریح نقصان ہے۔

قرآن کریم نے مایوس لوگوں کے لیے صاف صاف اعلان کر دیا ہے۔

ناامیدی کا انجام: قرآن کا اعلان

''جو شخص مایوس ہو کر اللہ کی نسبت ایسا ظن بد رکھتا ہو کہ اب دنیا و آخرت میں خدا اس کی مدد کرے گا ہی نہیں تو پھر اس کو چاہیے کہ اوپر کی طرف ایک رسی تانے اور اس کا پھندا بنا کر اپنے گلے میں پھانسی لگا لے اور اس طرح زمین سے جہاں اب وہ اپنے لیے صرف مایوسی سمجھتا ہے۔ اپنا تعلق قطع کرے پھر دیکھے کہ آیا اس تدبیر سے اس کو وہ شکایت جس کی وجہ سے مایوس ہو رہا تھا دور ہو گئی ہے اس طرح ہم نے قرآن کریم میں ہدایت وفلاح کی روشن دلیلیں اتاری ہیں تا کہ تم ان پر غور کرو اور اللہ جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعے سے ہدایت بخشتا ہے''۔[۲۲:۱۵:۱۶]

امت مسلمہ کے عروج کا واحد راستہ:

لہٰذا امید کا سفر ہمیں قرآن وسنت اجماع سے وابستہ کر کے اسی طریقہ زندگی کی طرف لے جاتا ہے جس کی طرف تمام انبیاء نے دعوت دی تھی اور اس دعوت کا طریقہ یہ ہے کہ ہم ایمان عمل صالح یقین محکم سے لیس ہو کر اسی طریقہ انقلاب کو اختیار کریں جو تمام انبیاء کا مشترکہ طریقہ رہا ہے۔ کسی قوم کی محرومی اور زوال اصل میں فکر صحیح سے محرومی ہے فکر صحیح ہو جائے تو انسان بدل جاتا ہے اور امت کا نقشہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے اس امت کے آخری حصے کی اصلاح بھی اسی طریقے سے ہو گی جس طریقے سے اس کے پہلے حصے کی ہوئی تھی۔ اس اصلاح کے بغیر مادی ترقی، سائنسی شان وشوکت کے ذریعے ترقی کے خواب دیکھنے کی روایت ایک خطرناک روایت ہے جس کا انجام مزید پستی، مزید گمراہی، مزید انحطاط اور نہ ختم ہونے والا زوال ہے۔